زیر سرپرستی داعیٔ اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

ماہنامہ

خضرِ راہ دہلی

جلد 1

شمارہ 9

صفر ۱۴۳۳ھ

دسمبر ۲۰۱۲ء

مجلس مشاورت

حافظ حسین سعید صفوی
مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی
مولانا ذیشان احمد مصباحی
مولانا اشتیاق عالم مصباحی
مولانا شاہد رضا ازہری
مولانا عارف اقبال
شاکر عالم مصباحی
مولانا غلام مصطفیٰ ازہری

مجلس ادارت

مولانا حسن سعید صفوی
مولانا محمد عمران ثقافی
مولانا کتاب الدین رضوی
مولانا قمر احمد اشرفی
مولانا سجاد عالم مصباحی
ڈاکٹر شہزاد انجم
جناب احمد جاوید

مدیران

محمد جہانگیر حسن ۔ شوکت علی سعیدی

نائبین مدیر

محمد آفتاب عالم ۔ ابرار رضا مصباحی

مجلس منتظمہ

سرکولیشن منیجر : ساجد سعیدی
اشتہار منیجر : موسیٰ رضا
تزئین کار : منظر سبحانی

نوٹ: مضمون نگار کے افکار ونظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ ادارہ

قیمت فی شمارہ	: 20روپے
قیمت سالانہ	: 200
قیمت سالانہ سرکاری ادارے ولائبریری	: 500
بیرون ممالک	: 40/امریکی ڈالر
لائف ممبر شپ	: 5000

مراسلت کا پتہ:

ماہنامہ خضر راہ

F-464 جیت پور پارٹ II، نزد کھجوری مسجد بدر پور، نئی دہلی۔۴۴

KHIZR-E-RAH(Monthly)
F-464, Jaitpur II, Near Khajuri Masjid
Badarpur, New Delhi.44
E-Mail-khizrerah@gmail.com
Mobile: 09312922953

پرنٹر، پبلشر، پروپرائٹر شوکت علی نے حرمین آفسیٹ پریس 632 رنگ محل، چاندنی محل، نئی دہلی 2، سے طبع کرا کر آفس ''ماہنامہ خضر راہ'' F-464 جیت پور پارٹ II، نزد کھجوری مسجد بدر پور، نئی دہلی۔44 سے شائع کیا۔

نوٹ: رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگا

ناشر شاہ صفی اکیڈمی/ جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

خضرِ راہ

حمد ومدح:	عزیز اللہ شاہ، شاہ احسان اللہ محمدی	۳	شرعی مسائل:	مفتی کتاب الدین رضوی	۱۱
عرفانی مجلس:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۴	شہ پارۂ اسلاف:	شاہ تراب علی قلندر	۱۳
اداریہ:	شوکت علی سعیدی	۵	اسرار التوحید:	شیخ محمد بن منور	۱۶
دعوت قرآن:	ذیشان احمد مصباحی	۷	نور اعتقاد:	ضیاء الرحمٰن علیمی	۱۸
ضیائے حدیث:	مقصود عالم سعیدی	۱۰	شخصیت:	مولانا عبدالرحمٰن جامی	۲۲

علم وعرفان

مضامین	مضمون نگار	صفحہ
زندگی اور موت	اشتیاق عالم مصباحی	۲۴
نماز اور اس کی حقیقت	سید قمر الاسلام	۲۷
صحابۂ کرام کے اوصاف	عبدالرحمٰن سعیدی	۳۱
صلہ رحمی اور ہمارا عمل	شاہد رضا ازہری	۳۴
اولاد والدین کے لیے آزمائش	افتخار عالم سعیدی	۳۸
علمائے ربانی ہی انبیا کے حقیقی وارث ہیں	آفتاب عالم مصباحی	۴۱
بیعت: قرآن وحدیث کی روشنی میں	غلام مصطفیٰ ازہری	۴۴
خواتین قرآن کریم میں	جہانگیر حسن	۴۹
انمول اصلاح	,, ,,	۵۳
اللہ سبحانہ وتعالیٰ	سید سلمان	۵۴
روح کی غذا	محمد انجم راہی	۵۶
کیریئر گائڈنس	شوکت علی سعیدی	۵۸
مشکل الفاظ کے معانی اور مفاہیم	ادارہ	۶۱

حمد و مدح

فقط تیرا طالب ہوں

مٹا میرے رنج و الم یا الٰہی
عطا کر مجھے اپنا غم یا الٰہی

شراب محبت کچھ ایسی پلا دے
کبھی بھی نشہ ہو نہ کم یا الٰہی

فقط تیرا طالب ہوں، ہر گز نہیں ہوں
طلب گار جاہ و حشم یا الٰہی

نہ دے تاج شاہی نہ دے بادشاہی
بنا دے گدائے حرم یا الٰہی

جو عشق محمد میں آنسو بہائے
عطا کر دے وہ چشم نم یا الٰہی

تو عطار کو بے سبب بخش مولیٰ
کرم کر کرم کر کرم یا الٰہی

محمد الیاس عطار قادری

سجدہ اس کا ہی حقیقت میں ...

جس کا سر آپ کے قدموں پہ جھکا ہوتا ہے
سجدہ اس کا ہی حقیقت میں ادا ہوتا ہے

جان و دل سے جو بشر ان پہ فدا ہوتا ہے
مثل بوبکر وہ مقبول خدا ہوتا ہے

وہ خدا کا بخدا اس کا خدا ہوتا ہے
بندہ ہر حال میں جو مصطفیٰ کا ہوتا ہے

اپنی ہستی سے بھی جو بے پروا ہوتا ہے
عشق محبوبِ خدا اس کو عطا ہوتا ہے

اس کے قدموں پہ شہنشاہوں کے سر ہوتے ہیں
جو حقیقت میں ترے در کا گدا ہوتا ہے

بقا باللہ کی نعمت اسے ملتی ہے سعیدؔ
اپنی ہستی سے جو سالک کہ فنا ہوتا ہے

شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

عرفانی مجلس

افادات: حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی/ ترتیب: مجیب الرحمن علیمی

معرفت بغیر علم کے محال اور علم بغیر معرفت وبال

حضور داعیٔ اسلام ادام اللہ ظلہ علینا نے ایک سفر میں فرمایا کہ علم اور عمل دونوں ضروری ہے، علم بغیر عمل کے بے فائدہ ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی ہے، معرفت بغیر علم کے محال اور علم بغیر معرفت کے وبال ہے، علم یا صاحب علم کی صحبت بے حد ضروری ہے، علم کے حصول کے لیے یہ ضروری نہیں کہ نو یا دس برسوں تک کا ایک لمبا عرصہ صرف ہی کیا جائے بلکہ اہل ذکر کی صحبت بھی کافی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. (نحل:۴۳) (اہل ذکر جو اہل علم ہوتے ہیں ان سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے ہو) یہاں حکم ہوا اہل ذکر سے سوال کرنے کا، معلوم ہوا کہ ذاکرین سے سوال کیا جائے نہ کہ غافلین سے، اہل غفلت اور اہل نسیان سے دین حاصل کرنا غیر دانشمندانہ ہوگا، ورنہ اندھے کی لاٹھی اندھے کے ہاتھ۔ نہ آج تک اس کا دل ذاکر ہوا اور نہ اس کی صحبت میں رہنے والوں کا۔ ذکر یہ نہیں ہے کہ تسبیح کے دانے لے کر بیٹھ جائے اور ہر نماز کے بعد ایک مخصوص کیفیت میں بلند آواز سے کچھ مخصوص کلمات ادا کیے جائیں، بلکہ ذکر الٰہی یہ ہے کہ ہر قول و فعل کے صدور سے پہلے اللہ کی رضا اور ناراضگی پیش نظر ہو اور جب کبھی دل غافل ہو یا نسیان طاری ہو جائے تو فوراً اللہ کی طرف اور اللہ والوں کی طرف مائل ہو۔ وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ۔ (کہف:۲۴) (جب کبھی بھول جاؤ تو اللہ کو یاد کرو) اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔ (توبہ:۱۱۹) (اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ) یہاں حالت تقویٰ جو حالت ذکر ہے اس کو حاصل کرنے کے ساتھ صادقین کی صحبت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

بات چل رہی تھی کہ علم اور عمل دونوں ضروری ہے، جتنا علم ہو اس پر عمل کیا جائے ورنہ علم کا کوئی فائدہ نہیں، علم کم ہو اور عمل زیادہ، یہ اس سے بہتر ہے کہ علم زیادہ ہو اور عمل تھوڑا اور ناقص ہو۔ کوئی علم میں کم ہو اور ہدایت میں زیادہ تو یہ اس شخص سے بہتر ہے جو علم میں زیادہ ہو اور ہدایت میں کم، علم کے حصول کا اصل مقصد عمل ہی ہے، ایسا علم جس پر عمل نہ کیا جائے اس کا حاصل کرنا حقیقت میں وقت ضائع کرنا ہے۔

شوکت علی سعیدی

کس پر اعتماد کریں؟

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں قرآن وحدیث کی تعلیم جس قدر ٹی وی، انٹرنیٹ اور کتب ورسائل کے ذریعے عام ہوئی ہے، اسی قدر قرآن وحدیث کی سمجھ رکھنے والوں میں خاصا اختلاف بھی دیکھنے میں آرہا ہے۔عوام تو عوام، خواص بھی دینی معاملات میں الجھاؤ کے شکار نظر آرہے ہیں۔ ہر شخص یہ دعویٰ کرتا پھر رہا ہے کہ دین کی صحیح سمجھ میں رکھتا ہوں، آؤ مجھ سے دین سیکھو!

ان حالات میں ہماری نوجوان نسل پریشان نظر آرہی ہے، ان کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا ہے کہ آخر دین کی تعلیم وہ کس سے حاصل کریں اور دین کے معاملے میں کس پر اعتماد کریں؟

ایسے پُرفتن دور میں کوئی ایسا پیمانہ ہونا بہت ضروری ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکے کہ ان دعویداروں میں دین کی صحیح سمجھ رکھنے والا کون ہے۔اب اگر کوئی عام انسان اپنی عقلی موشگافیوں سے دین سمجھنے کے لیے کوئی پیمانہ تیار کرتا ہے تو اس میں بھی اختلاف ہونا لازمی ہے۔لہٰذا آیئے قرآن وحدیث کی روشنی میں وہ پیمانہ تلاش کریں جس سے دین کے حقیقی داعی کی شناخت ہو سکے اور اس شعر کو بھی نظر میں رکھیں کہ:

حیران ہوں کس قوم کی تقلید کروں میں
ہر قوم دیا کرتی ہے قرآں کا حوالہ

مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ. (مسند احمد، ج:۵،ص:۱۱)

ترجمہ: اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں یہ تو واضح ہو گیا کہ ہر کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں دین کی سمجھ رکھتا ہوں بلکہ یہ مخصوص لوگ ہیں جنھیں اللہ کی جانب سے دین کی سمجھ عطا ہوتی ہے اور جنھیں دین کی سمجھ نہیں دی جاتی ان کے لیے یہ حکم ہے:

فَاسْئَلُوْا أَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (نحل:۴۳)

ترجمہ: اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو۔

اب اگر کوئی چند کتابوں کا مطالعہ کر کے اسے اپنے ذہن ودماغ میں مستحضر کر لے اور پھر اس کا اظہار اپنی زبان وقلم سے کرے تو کیا ہم اس شخص کو اس قابل سمجھیں کہ وہ دین کی صحیح سمجھ رکھتا ہے اور اہل ذکر میں سے ہے؟ کیا ہمیں اس کی بات قبول

کرنا چاہیے اور اس کی راہ اختیار کرنا چاہیے؟

تو ہم جیسے بھولے بھالے انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس آیت کے ذریعے حکم دیتا ہے کہ:

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا. (کہف:۲۸)

ترجمہ: اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو نفس کی پیروی میں لگا ہے کیونکہ اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ دین کی سمجھ (Understanding of Religion) اور چیز ہے اور اسلام کے بارے میں معلومات (Islamic Knowledge) اور چیز ہے، یہ دونوں الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلامی معلومات کا تعلق ذہن و عقل میں محفوظ ان معلومات سے ہے جن کے صحیح یا غلط ہونے پر کامل یقین نہیں اور دین کی سمجھ کا تعلق ان معلومات سے ہے جن کے حق یا باطل ہونے پر پختہ یقین ہو گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دین کی سمجھ کا تعلق قلب و روح سے جا ملتا ہے اور وہ عمل کی جانب راغب کرتی ہے، اسی کو ایمان کہتے ہیں۔ یہ دین کی سمجھ اسی کو عطا ہو گی جس کا دل گناہوں سے پاک ہو یعنی غیر اللہ کے خیال سے پاک ہو اور اللہ کے ذکر سے معمور ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ يُزَكِّى مَنْ يَشَاءُ. (نسا:۴۹)

ترجمہ: اللہ جسے چاہتا ہے گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔

جو گناہوں سے پاک رہتا ہو اور صبح و شام اپنے رب قدیر کے ذکر میں مشغول رہتا ہو، ایسے ہی شخص کی اتباع اور پیروی کا حکم ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ. (لقمان:۱۵)

ترجمہ: اس کی راہ چلو جو میری طرف مائل ہو۔

ان آیات کی روشنی میں یہ سمجھنا آسان ہو گیا کہ دینی معالات میں کس پر اعتماد کیا جائے اور کس کی اتباع کی جائے، یعنی جس کے اندر یہ شرطیں پائی جائیں:

اول: جو دین کی صحیح سمجھ رکھتا ہو۔

دوم: جس کا قلب اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو۔

سوم: جو ہمیشہ اللہ کی طرف مائل ہو۔

☆☆☆

سورۂ فاتحہ قرآن کا خلاصہ ہے

تعریف تو دراصل اللہ کے لیے ہی ہے، جو سارے جہانوں کا رب ہے، جو نہایت مہربان، رحم والا ہے، وہی جو روز جزا کا مالک ہے۔ مولیٰ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ (الفاتحہ: آیت:۱-۴)

الفاتحہ قرآن مقدس کی پہلی سورہ ہے، بلکہ پہلی سورہ ہونے کی وجہ سے ہی اس کا نام فاتحہ پڑا، کیونکہ فاتحہ کے معنی ہی پہل/ شروع کرنے والے کے ہیں۔ اس کے بہت سے نام ہیں۔ ان میں ایک نام ام القرآن بھی ہے۔ ام القرآن کا مفہوم خلاصۂ قرآن ہے۔ سورہ فاتحہ کس طرح قرآن پاک کا خلاصہ ہے، مفسرین قرآن نے اسے کئی طرح سے واضح فرمایا ہے۔

امام کبیر علامہ فخر الدین رازی (۵۴۴ھ -۶۰۴ھ) نے ام القرآن سے اس سورہ کے موسوم ہونے کے پانچ اسباب بیان کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں وہ اصولی طور پر تین ہیں:

۱۔ اللہ کی زبانی توصیف وثنا
۲۔ اس کی اطاعت وبندگی
۳۔ طلب مکاشفات ومشاہدات

اور اس سورہ میں یہ تینوں باتیں مذکور ہیں، اسی طرح امام رازی نے اس کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ پورے قرآن کا مقصود فقط چار امور کا اثبات ہے:

۱۔ الٰہیات ۲۔ حشر ونشر
۳۔ امور نبوت ۴۔ قضا وقدر

اور سورۂ فاتحہ میں یہ چاروں امور موجود ہیں۔

ویسے بھی دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے۔ یہ سات آیتوں پر مشتمل بظاہر ایک مختصر سورہ ہے لیکن حقیقت میں معانی اور مفاہیم کا ایک سمندر اور اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور قرآن کا اعجازِ ترتیب یہ ہے کہ یہ خلاصہ، مضامین قرآنی کے تفصیلی آغاز سے پہلے ایسے ہی مکتوب ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑ دیا گیا ہو یا جیسے فوج سے پہلے مقدمۃ الجیش کو بھیج دیا گیا ہو۔

سورۂ فاتحہ اللہ کی حمد سے شروع ہوتی ہے، یہ جہاں اس بات کا اشاریہ ہے کہ مومن ہر کام سے پہلے اور ہر حال میں اللہ کی حمد بجالاتا ہے وہیں یہ مثبت طرز فکر کا خاموش پیغام ہے اور ساتھ ہی اس بات کا داعی ہے کہ کام جو بھی ہو، اسے انسان خود نہیں کرتا جب تک کہ توفیق الٰہی شامل نہ ہو اور حسن کوئی بھی ہو، وہ از خود ظاہر نہیں ہوتا جب تک کہ دست قدرت اس کی مشاطگی نہ کرے، اس لیے اصل حمد اللہ ہی کی ہے جس کا بندے کو اعتراف کرنا چاہیے۔

اللہ کی حمد بجالانا دراصل اس بات کا خاموش اعلان ہے کہ اس سے پہلے اس کے وجود کو تسلیم کرلیا گیا ہے۔اس طرح قرآن کی پہلی سورہ کا پہلا جملہ ایمان باللہ کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ایمان باللہ اور بلفظ دیگر توحید، اسلامی تعلیم کا مرکزی نقطہ ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس مقام پر ذات حق کی جو پہلی صفت بیان کی گئی ہے وہ **رب العالمین** ہے یعنی ''سارے جہانوں کا رب''یہاں اللہ کی ذات پر ایمان کے ساتھ اس کی ربوبیت کا ذکر ایک طرف انسانوں کے عقیدے کی تصحیح ہے کہ اللہ ان کا صرف خالق نہیں جس نے انھیں پیدا کر کے چھوڑ دیا ہو بلکہ وہ رب بھی ہے جو ہر لمحہ ان کی ضرورت کے مطابق اسباب حیات مہیا کرتا رہتا ہے۔یعنی کائنات اپنے وجود اور بقا دونوں میں ہر لمحہ اپنے خالق کا محتاج ہے۔

رب العالمین کے الفاظ میں ایک اور نکتہ ہے اور وہ یہ کہ قرآن نے خالق و مالک کا نہایت ہمہ گیر تصور پیش کیا ہے۔قرآنی فکر کے مطابق اللہ کسی خاص قوم، قبیلے اور خطے کا رب نہیں بلکہ وہ سارے جہانوں کا رب ہے۔یہیں سے قرآن کے ابتدائی قاری کو یہ پیغام بھی ملتا ہے کہ قرآن جو دین پیش کر رہا ہے یہ سب کے لیے ہے، کسی خاص قوم کے لیے نہیں؛ کیوں کہ قرآن کے مطابق اللہ تمام جہانوں کا رب ہے لہٰذا اس کا دین وشریعت بھی سارے جہانوں کے لیے ہوگا، نہ کہ کسی خاص کنبے یا قبیلے کے لیے۔

رب العالمین کے بعد سورۂ فاتحہ میں اللہ رب العزت کے لیے **الرحمن** اور **الرحیم** دو الفاظ صفات آئے ہیں۔یہ وہی الفاظ ہیں جو **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے اندر مذکور ہو چکے ہیں، ان کے بنیادی نکات بھی وہیں پر بیان ہو چکے ہیں۔اس کے بعد **مالک یوم الدین** (سزاوجزا کے دن کا مالک) اللہ کریم کے لیے چوتھی صفت لائی گئی ہے۔اس صفت کے ذریعے قرآن نے اپنے آغاز کے ساتھ ہی عقیدۂ آخرت کو واضح کر دیا ہے۔اللہ کے لیے ''سزاوجزا کے دن کا مالک'' ہونے کا عقیدہ رکھنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انسان ہر وقت یہ بات ذہن نشیں رکھے کہ وہ اس زندگی میں جو کچھ کر رہا ہے اس کے اعمال ہوا میں تحلیل نہیں ہو رہے ہیں، بلکہ ان کا ایک مکمل ریکارڈ تیار ہو رہا ہے جس کا حساب سزاوجزا کے دن ہونا ہے۔اس دن ہر اچھے عمل کا بدلہ ملنا ہے اور ہر برے عمل کا انجام پانا ہے۔اس دن کا مالک صرف اور صرف اللہ کریم ہے۔اس دن صرف اسی کا حکم چلے گا، اسی کی کبریائی ہوگی حتی کہ بغیر اس کی اجازت کے کسی میں شفاعت وفریاد کی بھی تاب نہیں ہوگی۔

یوم حساب کا عقیدہ، اسلام کا ایک نہایت اہم عقیدہ ہے جو انسان کے اندر احساس ذمہ داری اور جذبۂ احتسابی جگاتا ہے۔سورۂ فاتحہ میں اس کا ذکر کیا جانا قرآن کی تلاوت کرنے والے کو ابتدا میں ہی اپنی ذمے داری کا احساس دلانا ہے۔

اللہ کی عظیم ذات اور ہمہ گیر صفات کے ذکر کے بعد قلب انسانی میں فطری طور پر یہ احساس جاگتا ہے کہ عبادت

فقط ایسی ذات عظیم ہی کی ہونی چاہیے اور ہر طرح کی مدد و نصرت، حقیقت کے اعتبار سے اسی سے طلب کرنا چاہیے؛ کیوں کہ تنہا اسی کی ذات ہے جو ہر لمحہ کائنات کے ہر ذرے کی پرورش فرمانے والی ہے، نہایت مہربان اور کریم ہے، نیز اس دن جب انسان اپنے کیے کا بدلہ پائے گا، اس دن کا تنہا مالک وہی ہے۔ **ایاک نعبدو ایاک نستعین** میں اسی بندگی کا اظہار اور اسی عاجزی کا اعتراف ہے۔ صرف اسی کے لیے حق عبادت کے اعتراف کے بعد، حقیقی معنوں میں صرف اسی کے حامی و ناصر ہونے کا اعتراف اس بات کو بتاتا ہے کہ اور تو اور، اللہ کی نصرت و توفیق کے بغیر ہم اس کی عبادت بھی نہیں کر سکتے، ہمیں عبادت یا غیر عبادت جملہ امور میں بظاہر کبھی کسی سے جو مدد ملتی ہے وہ مدد مجازی اور بالواسطہ ہوتی ہے، حقیقی مدد کرنے والا صرف اور صرف اللہ ہے۔

اگر اللہ کی توفیق شامل حال نہ ہو تو نہ گرتے ہوئے انسان کو کوئی سہارا دے سکے اور نہ ہی بگڑتے ہوئے انسان کی کوئی اصلاح و ہدایت کر سکے، بلکہ حد تو یہ ہے کہ اگر توفیق الٰہی نہ ہو تو انسان کے اندر نہ سہارا مانگنے کی عقل آئے اور نہ اصلاح پانے کی طلب جاگے، حقیقی کارساز بہرحال، اللہ اور صرف اللہ ہے۔

یہاں ایک نکتہ بہت اہم ہے اور وہ یہ کہ یہ دنیا جائے اسباب ہے، یہاں ہر چیز ایک دوسری چیز سے جڑی ہوئی ہے۔ اسی لیے شریعت اسباب سے جڑنے کا حکم دیتی ہے۔

مثال کے طور پر اللہ رزّاق ہے، حقیقی معنوں میں وہی رزق دیتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم صبح اٹھنے کے بعد اپنی رزق کی تلاش میں نہ نکلیں اور مصلے پر بیٹھے یہ امید رکھیں کہ اللہ رزّاق ہے، وہ آسمان سے ازخود ''من و سلویٰ'' نازل فرمادے گا۔ لیکن اس کے باوجود اللہ کے بعض کامل بندوں کا ایمان باللہ اتنا مضبوط ہوتا جاتا ہے کہ وہ اسباب سے بڑی حد تک بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ ان کی نظر اسباب سے اٹھ کر مسبب الاسباب پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ ایسے بندے جبریل جیسے مقرب فرشتے سے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمیں تمہاری حاجت نہیں، ایسے مستغرق بندے بعض اوقات دعا کرنا بھی ترک کر دیتے ہیں اور اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ '' نارِ نمرود'' گلزار بن جاتا ہے۔ بعض صالحین امت نے اسی شدت ایمان اور عالم اسباب سے بے رخی کو ''وحدۃ الوجود'' کا نام دیا ہے۔ یہ اصطلاح اپنے وجود کے اعتبار سے بدعت ہے لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایمان بلکہ عین ایمان ہے۔ لیکن یہ کیفیت عام مومنین کی نہیں ہوتی اور نہ ہی مومنین ہونے کے لیے ہر شخص سے یہ کیفیت مطلوب ہے۔ (باقی آئندہ)

☆☆☆

حضرت میمون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
اگر تم چاہتے ہو کہ اس شخص کے شر سے بچ جاؤ جو تم سے حسد کرتا ہے تو اپنے کاموں کو اس سے پوشیدہ رکھو۔

تلاوت قرآن کی فضیلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحِبُّ الصُّمْتَ عِنْدَ ثَلَاثٍ، عِنْدَ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَعِنْدَ الزَّحْفِ وَعِنْدَ الْجِنَازَةِ.

(معجم للطبرانی، ج:۵،ص:۱۵۰)

ترجمہ: اللہ کو ان تین وقتوں میں چپ رہنا زیادہ پسند ہے:

۱۔ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت

۲۔ مزاحمت کے وقت ۳۔ جنازہ کے وقت

أَفْضَلُ الذِّكْرِ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ فِي الصَّلَاةِ، ثُمَّ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ فِي غَيْرِ الصَّلٰوةِ، ثُمَّ الصَّوْمُ، ثُمَّ الذِّكْرُ.

(حلیۃ الاولیاء، ج:۷،ص:۶۸)

ترجمہ: سب سے افضل ذکر نماز میں تلاوت کرنا ہے، پھر نماز کے علاوہ تلاوت کرنا، پھر روزہ رکھنا، پھر کوئی ذکر۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَكْثِرُوا تِلَاوَةَ الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ يُرْفَعَ.

(سنن دارمی، ج:۴،ص:۲۱۰۵)

ترجمہ: قرآن کریم کی تلاوت کرو اس سے پہلے کہ قرآن اٹھالیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيدُ، إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَمَا جَلَاؤُهَا؟ قَالَ: كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ.

(شعب الایمان، ج:۲،ص:۳۵۲)

ترجمہ: جس طرح لوہے میں پانی لگنے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے ایسے ہی دل بھی زنگ آلود ہوتا ہے۔

پوچھا گیا: یارسول اللہ! دل کے زنگ کی صفائی کی صورت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کثرت سے موت کو یاد کرنا اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔

حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَوْلَا تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ لَسَرَّنِي أَنْ أَكُونَ مَرِيضًا.

(مسند ابی شیبہ، ج:۷،ص:۲۲۰)

ترجمہ: اگر قرآن کی تلاوت نہ ہوتو مجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ میں بیمار ہو جاؤں۔

اسی لیے صحابہ کرام بڑی پابندی کے ساتھ تلاوت کا اہتمام کرتے تھے، روایت ہے:

خَمْسٌ كَانَ عَلَيْهَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعُونَ بِإِحْسَانٍ، لُزُومُ الْجَمَاعَةِ وَاتِّبَاعِ السُّنَّةِ وَعِمَارَةُ الْمَسَاجِدِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

(شعب الایمان، ج:۳،ص:۸۵)

ترجمہ: پانچ چیزیں ایسی ہیں جن پر صحابہ کرام اخلاص کے ساتھ پابندی سے عمل کرتے تھے: جماعت کی پابندی، سنت کی اتباع، مسجد کی تعمیر، قرآن کی تلاوت اور اللہ کی راہ میں جہاد۔

☆☆☆

مفتی کتاب الدین رضوی

تیمّم اور موزے پر مسح کے مسائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنۡ کُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَاِنۡ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ. (مائدہ:٦)

ترجمہ: اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت پوری کر کے آئے یا بیوی سے ملے اور پانی دستیاب نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمّم کرے اور اس (مٹی) پر ہاتھ مار کر اُسے اپنے منھ اور ہاتھوں پر پھیرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِداً وَطَهُوراً. (بخاری)

ترجمہ: میرے لیے (اور میری امت کے لیے) پوری زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے۔

تیمّم کا طریقہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تیمّم کے لیے دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے۔ (سنن دار قطنی)

تیمّم کرنے کے لیے نیت کر کے پہلے بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم پڑھے، پھر دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھے اور پھونک مار کر گرد جھاڑ لے، پھر چہرہ اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں پر پھیرے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تیمّم کا طریقہ اس طرح سکھایا کہ آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں، پھر دونوں کو پھونک مار کر جھاڑا، پھر انھیں اپنے چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں پر پھیر لیا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تیمّم دو مرتبہ ہاتھوں کو زمین پر مارنا ہے۔ ایک مرتبہ چہرے کے لیے اور دوسری مرتبہ کہنیوں تک بازوؤں کے لیے۔ (دار قطنی)

تیمّم جائز ہونے کی صورتیں

جن حالتوں میں تیمّم کو جائز قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

١۔ پانی بالکل موجود نہ ہو یا پانی موجود ہو لیکن پاکی حاصل کرنے کے لیے کافی نہ ہو یا پانی صرف کھانے پینے کے لیے استعمال بھر ہو۔

٢۔ انسان بیمار ہو یا اس کے بدن پر کوئی زخم ہو، اگر وہ پانی استعمال کرتا ہے تو بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو، یا صحت یابی میں تاخیر کا خوف ہو۔

٣۔ پانی حد سے زیادہ ٹھنڈا ہو اور یہ گمان غالب ہو کہ اگر وہ غسل یا وضو کرے گا تو بیمار ہو جائے گا یا اس کی بیماری میں اضافہ ہو جائے گا، نیز پانی گرم کرنے یا کرانے کی طاقت نہ ہو اور کہیں سے گرم پانی ملنے کا امکان بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمّم کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ص:٤١٥، بحوالہ در مختار)

چاروں امام بھی اس بات پر متفق ہیں کہ سخت ٹھنڈک سے اگر نقصان ہونے کا خطرہ ہو تو تیمّم کرنا جائز ہے اور اس تیمّم سے ادا کی گئی نماز دہرائی نہیں جائے گی۔

۴۔اگر ٹرین، بس، یا کسی سواری میں سفر کر رہا ہے اور پاکی حاصل کرنے لیے اس کے پاس پانی نہیں، یا پانی تو ہے لیکن کوئی ایسا انتظام نہیں کہ طہارت حاصل کرے، یا انتظام تو ہو مگر اجازت نہیں جیسے ٹرین میں تو ایسی صورت میں بھی تیمّم کرنا جائز ہے۔

کوئی اس حالت میں ناپاک ہو گیا ہے کہ اس کے پاس صرف وضو کرنے بھر پانی ہے، غسل کرنے کے لیے نہیں، ایسی صورت میں جنابت (ناپاکی) سے پاکی حاصل کرنے کے لیے غسلِ تیمّم کرے اور پانی سے وضو کر کے نماز ادا کرے۔

فتاویٰ رضویہ میں پانی سے عاجز ہونے کی ۱۷۵ صورتیں ذکر کی گئی ہیں جن میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ:

''نہانے کی حاجت ہے اور وہاں قابل غسل پانی کی قیمت ایک پیسہ ہو اور جس کے پاس پانی ہے دو پیسے مانگتا ہے پیسہ زیادہ نہ دے اور تیمّم کر کے نماز پڑھ لے۔'' (ص:۴۱۴)

وہ اشیا جن سے تیمّم درست ہے

پاک مٹی یا ہر وہ چیز جو مٹی سے بنی ہو، اُن سے تیمّم کرنا جائز ہے، جیسے: ریت، پتھر، کنکری، سیمنٹ، سنگ مرمر اور سیٹ پر پائے جانے والی دھول وغیرہ۔

موزوں پر مسح

موزوں کے مسح پر جمہور امت کا اتفاق ہے، بلکہ حدیث متواتر سے ثابت بھی ہے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ اس تعلق سے تقریباً اسّی روایتیں ہیں جن میں عشرۂ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ موزوں پر مسح کیوں کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے استنجا کرنے کے بعد وضو فرمایا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔ (بخاری و مسلم)

کس طرح کے موزوں پر مسح جائز ہے؟

ایسے موزوں پر مسح جائز ہے جو پانی جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں جنھیں پہن کر آسانی کے ساتھ چلنا پھرنا ممکن ہو، اس لیے کپڑے کے موزوں پر مسح جائز نہیں۔ لیکن آج کل چمڑے کے موزوں پر مسح جائز ہے، اگرچہ چین اور بٹن لگا ہوا ہو۔

ایسے موزوں پر مسح جائز ہے جو قدم کے اوپر کھلا ہوا ہو مگر بٹن لگا کر بند دیا گیا ہو، کیونکہ وہ اب ایسے ہی ہے جیسے اس میں کوئی پھٹن/شگاف نہ ہو۔ (ت)

(فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۳۴۸ بحوالہ بحر الرائق و رد المحتار)

شرطِ مسح اور اس کی مدت

موزوں پر مسح کرنا اسی صورت میں جائز ہے جب وضو کر کے انھیں پہنا جائے۔ مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں (صرف موزوں پر پیر دھونے کی جگہ) مسح کرنا جائز ہے جب کہ گھر پہ رہنے والوں کے لیے ایک دن اور ایک رات مسح کرنا درست ہے۔

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ اگر ہم نے موزے کو پاکی کی حالت میں پہنا تو سفر میں تین دن اور تین راتیں مسح کریں اور اگر گھر پر ہیں تو ایک دن اور ایک رات۔

مسح ختم کرنے والی چیزیں

۱۔مسح کی مدت کا ختم ہونا
۲۔غسل واجب ہونے کی صورت میں
۳۔موزہ نکالنے سے۔
۴۔پاؤں میں پانی چلے جانے سے

ان صورتوں میں دوبارہ وضو کر کے موزہ پہننا ضروری ہے۔

طالب حق کے لیے وعظ و نصیحت

حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ بلند پایہ عالم اور عارفین باللہ میں سے ایک ہیں۔ آپ ۱۱۸۱ہجری مطابق ۱۷۶۸عیسوی میں بمقام کاکوری پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے شاگرد رشید مولوی رشید الدین کی تعلیم و تربیت کے لیے تصوف و اخلاق، معاشرت و معاملات اور ذکر و اذکار اور قبل پیدائش سے لے کر بعد موت تک کے اکثر امور پر مبنی ایک کتاب ''مطالب رشیدی'' تالیف فرمائی۔ یہ آج بھی ہر طالب صادق کے لیے سرمایہ حیات اور گنجینۂ آخرت ہے۔ عوام الناس کی افادیت کے مدنظر اسی کتاب سے ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے۔　**ادارہ**

جو شخص ان دس خصلتوں کو اپنی عادت بنالے وہ اپنے لیے بہت عمدہ بات دیکھے گا:

۱۔قسم نہ کھائے چاہے سچ بات ہو یا جھوٹ۔

۲۔جھوٹ نہ بولے

۳۔وعدہ خلافی نہ کرے

۴۔مخلوق میں سے کسی پر لعنت نہ کرے چاہے آدمی ہو یا حیوان

۵۔کسی کے لیے بددعا نہ کرے، چاہے اس کو اس سے نقصان بھی پہنچا ہو، اس کے ظلم کا بدلہ ہاتھ اور زبان سے نہ لے۔

۶۔کسی کے شرک و نفاق اور کفر کی گواہی نہ دے۔

۷۔گناہ کی طرف رغبت نہ کرے، نہ ظاہر میں نہ پوشیدہ

۸۔اپنا بار کسی پر نہ ڈالے، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا

۹۔آدمیوں سے کوئی آرزو اور طمع نہ رکھے

۱۰۔تواضع اختیار کرے، یعنی اپنے کو کسی سے بڑا نہ جانے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، عالم ہو یا جاہل، کافر ہو یا منافق، اپنے آپ کو حقیر سمجھتا رہے۔(فتوح الغیب، غوث پاک)

طالب کو پانچ چیزوں کا عادی ہونا چاہیے، ان کی وجہ سے توکل قائم رہتا ہے:

۱۔یہ یقین رکھے کہ حق تعالیٰ کا علم سب چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے انسان کے برخلاف کہ ایک شہر کا حال بھی وہ پورا نہیں جانتا ہے، اگر سخی بھی ہے لیکن جانتا نہیں تو کس طرح کسی کی مدد کرے گا۔

۲۔محتاج کہیں بھی ہوں حق تعالیٰ ان کو رزق پہنچانے پر قادر ہے، بخلاف اس کے آدمی کو یہ قدرت حاصل نہیں، پھر وہ کیسے رزق پہنچا سکتا ہے؟

۳۔حق تعالیٰ کسی کو بھولتا نہیں ہے، انسان کے برخلاف کہ اس سے ایسا بہت ہوتا ہے کہ محتاج کو دروازہ پر بٹھا کر بھول جاتا ہے۔

۴۔عطا فرمانے سے حق تعالیٰ کو ملال نہیں ہوتا، انسان کے برخلاف کہ اگر وہ مخلوق کو عطا کرنے پر مستعد ہوا تو تھوڑا ہی زمانہ گزرنے پر ہمت ہار جاتا ہے۔

۵۔حق تعالیٰ کا خزانہ کبھی کم نہیں ہوتا، انسان کے برخلاف کہ اس کا خزانہ گھٹ جایا کرتا ہے، اگر ان باتوں کو ہمیشہ

یادر کھے گا تو نڈر ہو کر خلق سے تلاش معاش چھوڑ دے گا۔
طالب کو چاہیے کہ ذیل کی صفتوں پر اپنے آپ کو جانچا کرے اور خود ہی اپنے افعال و کردار سے انصاف کرتا رہے۔
تقویٰ: احکام الٰہی کی تعلیم و تعظیم، جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان سے پرہیز، ذکر کی پابندی، عبادت میں مستعدی اور ہمیشگی، مصیبتوں پر صبر، مشتبہ باتوں پر غور اور فکر، طرح طرح کی عبادت میں اوقات کی تقسیم، تعلقات سے علاحدگی، راہ حق سے باز رکھنے والی باتوں سے دوری، نیک کام سے رغبت، برے کام سے نفرت، مخلوق پر شفقت، گفتگو میں سچائی، کام میں انصاف، نصیحت پر عمل، نفس پر جبر، بدن سے مجاہدہ، دوست سے محبت، ہمسایہ کی مدد، عزیزوں سے میل جول، ضعیفوں کی خدمت، مسکینوں سے نرمی، درویشوں سے سخاوت، دینی کام میں دل جمعی، دنیوی معاملہ میں قناعت، عبادت میں عزت، دیکھنے میں عبرت، سکوت میں تفکر، بات چیت میں امانت، سمجھ بوجھ کر کام کرنا، وعدہ پورا کرنا، حق داروں سے محبت اور اخلاص سے پیش آنا، نعمت میں شکر کرنا، نیکی میں ابتدا کرنا۔
جب ان صفات کا پوری طرح پابند رہے گا اور ان سے غفلت نہ کرے گا تو اسرار روحانی کے خوش کن فیوض حیات جاودانی سے آنے لگیں گے اور ان اسرار کی حقیقتوں کے معلوم ہونے سے سالک کو ترقیاں حاصل ہوں گی اور وہ مقربان حق میں شمار ہوگا اور صدیقوں کے مقامات حاصل ہوں گے۔ ذکر و فکر، اعتصام (گناہوں سے اپنے کو بچانے کی کوشش کرنا)،
خوف، حزن، اجتناب (بچنا)، خشوع (عاجزی)، زہد (خواہشات چھوڑنا)، ورع (پرہیزگاری)، رجا (امید)، اخلاص، توکل (اللہ پر بھروسہ اور سب کو چھوڑ کر اسی سے امیدواری کرنا)، تفویض (اپنے معاملات اسی کے حوالے کرنا)، تسلیم (فرمانبرادری)، صبر، رضا (اللہ کی رضامندی پر راضی رہنا)، شکر، حیا، صدق، ایثار (دوسرے کے مطلب کو اپنے مطلب پر مقدم کرنا)، فتوت (جوانمردی و مروت)، انبساط (خوشحالی)، ادب، یقین، دانش، علم، حکمت، فراست، بصیرت، الہام، سکینہ (سکون قلب)، محبت، شوق، وجد، ستر، غیبت، تمکین توحید، فنا و بقا اور ان کے علاوہ اہل دل حضرات کے پاکیزہ اوصاف اسے حاصل ہوں گے۔
حضرت حاتم اصم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہوت تین قسم کی ہوتی ہیں:
۱۔ کھانے میں ۲۔ بولنے میں ۳۔ دیکھنے میں
تو لازم یہ ہے کہ کھانے میں اللہ پر بھروسہ رکھے، بولنے میں سچائی کا لحاظ رکھے اور دیکھنے میں عبرت سے دیکھے۔
اور فرمایا ہے کہ چار موقعوں پر ان باتوں کا لحاظ رکھے:
۱۔ عمل میں ریا نہ ہو۔ لینے میں طمع نہ ہو۔ ۳۔ دینے میں احسان نہ جانے۔ ۴۔ کفایت شعاری میں بخل نہ ہو۔
مزید فرمایا ہے کہ تین وقت اپنے نفس کی نگرانی کرتا رہے:
۱۔ جب عمل کرے تو یاد رکھے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔
۲۔ جب بات کہے تو یہ سمجھے کہ اللہ سنتا ہے۔
۳۔ چپ رہے تو سمجھے کہ اللہ جانتا ہے کہ کیوں چپ ہے۔
حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک پانچ گھاٹیاں پار نہ کروگے مردان حق کے مقام پر نہ پہنچو گے:

ا۔نعمت کا دروازہ بند کرلواور رحمت کا دروازہ کھول دو۔
۲۔عزت کا دروازہ بند کرلواور ذلت کا دروازہ کھول دو۔
۳۔امیری کا دروازہ بند کرلواور فقیری کا دروازہ کھول دو۔
۴۔نیند کا دروازہ بند کرلواور جاگنے کا دروازہ کھول دو۔
۵۔امل (امیدوآرزو) کا دروازہ بند کرلواور اجل (موت) کا دروازہ کھول دو۔

اور یہ فرمایا ہے کہ جو بندھا ہے اس کو کھول دو اور جو کھلا ہے اس کو بند کردو۔لوگوں نے کہا کہ یہ سمجھ میں نہیں آیا،فرمایا کہ بندھی ہوئی تھیلی کو کھول دو اور کھلے ہوئے منھ کو بند کردو (یعنی مال خرچ کرو اور لالچ کو روکو۔

اے عزیز!تم کو چاہیے کہ اوصاف حمیدہ اختیار کرو،یعنی:
ا۔بوڑھوں کے ساتھ تعظیم سے پیش آؤ۔
۲۔جوانوں کے ساتھ نصیحت سے
۳۔لڑکوں کے ساتھ شفقت سے
۴۔ضعیفوں کے ساتھ رحمت سے
۵۔فقیروں کے ساتھ بخشش اور سخاوت سے
۶۔عالموں کے ساتھ عزت ووقعت سے
۷۔ظالموں کے ساتھ عداوت سے
۸۔فاجروں کے ساتھ اہانت سے
۹۔مخلوق کے ساتھ احسان ومروت سے
۱۰۔حق تعالیٰ کے ساتھ عاجزی اور انکساری سے
۱۱۔نفس کے ساتھ جھگڑے سے
۱۲۔خلق کے ساتھ صلح سے
۱۳۔خواہشات کے ساتھ مخالفت سے
۱۴۔شیطان کے ساتھ لڑائی سے
۱۵۔خلق کے ظلم پر تحمل سے
۱۶۔دشمنوں کے معاملے میں حلم سے
۱۷۔مصیبتوں پر صابر رہنے سے
۱۸۔اطمینان کی حالت میں شاکر رہنے سے
۱۹۔اپنے نفس کے عیب جانتے رہو۔
۲۰۔دوسروں کے عیب کا ذکر نہ کرو۔
۲۱۔خلق کی مصیبت سے کراہت کرو۔
۲۲۔قضائے الٰہی سے جو تقدیر میں ہے اس سے راضی رہو۔
۲۳۔بدعت اور خواہشات نفسانی سے دور رہو۔
۲۴۔شریعت کی پابندی سختی سے کرو۔
۲۵۔طریقت پر ثابت قدم رہو۔
۲۶۔تہمت کے موقعوں سے بچتے رہو۔
۲۷۔علم نجات کے شوقین رہو۔
۲۸۔غفلت کرنے والوں سے نفرت کرو۔
۲۹۔ساتھیوں کی عبادت کرنے میں مدد کرو۔
۳۰۔نماز باجماعت کا ہمیشہ پابند رہو۔
۳۱۔زیردست (زیراثر) کو نصیحت کرتے رہو۔
۳۲۔اپنے فعل اور قول پر خائف رہا کرو۔
۳۳۔قیامت کی قطعیت (کس مپرسی) اور رسوائی سے ڈرتے رہو۔
۳۴۔فضل اور عنایت حق تعالیٰ کے امیدوار رہو تا کہ نجات حاصل ہو۔ (مطالب رشیدی،ص:۲۳۳ تا ۲۳۶)

☆☆☆

دین میں کوئی تنگی نہیں

شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد میہنی علیہ الرحمۃ والرضوان پانچویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ اور نظریۂ وحدۃ الوجود کے مبلغین میں سے ایک اہم ہستی ہیں، ان کی پیدائش ’خراسان‘ کے ’میہنہ‘ گاؤں میں ۳۵۷ ہجری کو ہوئی اور ۴۴۰ ہجری میں اسی جگہ وفات پائی۔ **اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید** ان کی شخصیت اور ارشادات پر مشتمل ہے جو شیخ محمد بن منور نے ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب دنیائے تصوف کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کا ترجمہ بنام **اذکار السعید**، مولانا رکن الدین سعیدی نے کیا ہے جسے عام افادیت کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ **ادارہ**

ہمارے شیخ ابوسعید قدس اللہ روحہ العزیز جب لغت و زبان کے علوم سے فارغ ہوگئے تو علم فقہ حاصل کرنے کے لیے ’مرو‘ جانے کا قصد فرمایا۔

ایک دن شیخ قدس سرہٗ نے بات چیت کے درمیان فرمایا: اس وقت جب ہم ’میہنہ‘ سے ’مرو‘ گئے تھے، ہمیں تیس ہزار اشعار یاد تھے۔ ’مرو‘ میں شیخ ابوسعید، امام ابوعبداللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھیں علوم طریقت میں بصیرت حاصل تھی، معتبر ائمہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ وہ ابن سریج کے شاگرد تھے اور ابن سریج، مزنی کے اور مزنی امام شافعی مطلبی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔

شیخ شافعی المذہب تھے، (امام شافعی کے بعد جتنے مشائخ اس علاقے میں تھے، سب شافعی المذہب تھے) البتہ! مشائخ میں جن حضرات نے ان سے پہلے راہ طریقت میں قدم رکھا، انھوں نے دوسرا مذہب اختیار فرمایا۔ پھر عارفین باللہ کے گروہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو خصوصیت حاصل ہے اور اللہ نے بے طلب، محض ازلی عنایت و نوازش سے جس قدر اُن کو نوازا ہے اور اپنی جس محبت کی سعادت سے بہرہ مند فرمایا، اس نے انھیں شافعی مذہب اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

شیخ قدس سرہٗ جو بغداد میں رہتے تھے اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے مشائخ اپنے اسلاف اور مشائخ کے مذہب پر یعنی شافعی مذہب تھے، اگر ہم ان کا تذکرہ کریں اور ان کے کوائف و حالات نقل کریں تو لازماً بات لمبی ہوجائے گی، اور ہمارا مقصد یہ نہیں ہے۔

ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ شیخ کبیر بایزید بسطامی قدس اللہ روحہ العزیز امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مقلد تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اس لیے کہ بایزید بسطامی قدس اللہ روح العزیز امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مرید تھے اور امام جعفر صادق کے سقا کے نام سے پہنچانے جاتے تھے، امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ان کو بایزید سقا کہا ہے۔ بایزید اپنے پیر کے مذہب پر تھے اور ان کے پیر امام جعفر صادق بذات خود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان میں سے تھے۔

راہ طریقت میں یہ بات کبھی درست نہیں ہوسکتی کہ کوئی مرید اپنے پیر کے مذہب کے علاوہ کوئی اور مذہب اختیار کرے

اور نہ یہ جائز ہے کہ مرید اپنے پیر کے کسی عقیدے، کسی عمل اور عادت کے خلاف اپنے لیے کوئی بات درست تصور کرے۔

کسی کے گمان میں یہ بات نہ آنی چاہیے کہ یہ کلمات جن سے پتہ چلتا ہے کہ جن مشائخ وعارفین نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تقلید کی تھی، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تنقیص وتحقیر کے لیے نوک قلم پر آئے ہیں، حاشا وکلا ہرگز ایسا نہیں ہے اور ہم اس خدشے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ کسی ناظر کے دل میں ایسا خیال آئے۔

اس لیے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت اور صفت تقویٰ اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ میرے علم میں آئے اور میں اس کی تفصیل کروں، وہ امت اسلامیہ اور ملت محمدیہ کے سراج تھے۔ حقیقت میں دونوں مذاہب برابر ہیں، دونوں اماموں نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی آیات کی پیروی کی ہے اور حدیث مصطفیٰ پر عمل ہے۔

جو شخص بھی تعصب سے پاک ہوکر دونوں مذاہب کی حقیقت پر غور کرے گا اسے معلوم ہوجائے گا کہ دونوں امام ایک ہی ہیں، اگر اسے جزئیات اور فروعی مسائل میں اختلاف ملے تو اسے وہ: اِخْتِلَافُ اُمَّتِــيْ رَحْـمَـةٌ. (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) کی نظر سے دیکھے اور اگر کسی سہولت کی خاطر دونوں اماموں میں کسی ایک کے مذہب پر عمل کیا ہے تو اس کو وَمَـا جَـعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی ہے) کی نظر سے مطالعہ کرنا چاہیے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق اس میں غور وفکر کرے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

بُعِثْتُ بِالْحَنِفِيَّةِ السَّمْحَةِ السَّهْلَةِ.

مجھے نبی مقرر فرمایا گیا ہے اس طریقہ کے ساتھ جو اللہ کے ساتھ یکسو کرنے والا، نرم وفراخ اور آسان ہے۔

تعصب اور ضد کے جذبے کے ساتھ ائمہ دین کے متعلق کوئی خیال وتصور قائم نہ کرنا چاہیے، لیکن اتفاق ایسا ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس تعصب میں مبتلا ہے۔

ائمہ کے تعلق سے قاری کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ جو کچھ ان بزرگوں نے فرمایا ہے وہ حق کے علاوہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ائمہ دین اس تعصب سے جو ہماری طبیعت میں رچ بس گیا ہے محفوظ ہیں۔ اس سلسلے میں صحیح سند کے ساتھ ابودردا سے روایت منقول ہے، انھوں نے کہا:

رَاَيْتُ مَالِكَ ابْنَ اَنَسٍ وَاَبَا حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِيْرَةِ وَهُمَا يَتَذَاكَرَانِ وَيَتَدَارَسَانِ حَتّٰى اِذَا وَقَفَ اَحَدُهُمَا عَلَى الْقَوْلِ الَّذِيْ قَالَ بِهٖ وَعَمِلَ عَلَيْهِ اَمْسَكَ اَحَدُهُمَا عَنْ صَاحِبِهٖ مِنْ غَيْرِ تَعَنُّتٍ وَلَا تَعَسُّفٍ وَلَا تَخْطِئَةٍ لِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا حَتّٰى صَلَّيَا الْغَدَاةَ فِيْ مَجْلِسِهِمَا ذٰلِكَ.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز عشا کے بعد مالک بن انس اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا، دونوں بزرگ علمی گفتگو میں مشغول تھے، باہم غور وخوض کر رہے تھے، ان دونوں میں سے کوئی ایک جب اپنی کہی ہوئی بات پر مطمئن ہوکر عمل پیرا ہوجاتا، دوسرا اپنے رفیق گفتگو کو کسی زور زبردستی اور ضد یا ہٹ دھرمی کے بغیر مضبوطی سے تھام لیتا، وہ دونوں اس معاملہ میں ایک دوسرے کو خطا کار نہ ٹھہراتے، غور وخوض کا یہ سلسلہ پوری رات جاری رہتا، یہاں تک کہ اسی مجلس میں دونوں اگلے دن بھی نماز ادا فرماتے۔

☆☆☆

سنت و بدعت کا اسلامی مفہوم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ. (نسا:۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اور جو تمہارے امیر ہوں ان کی اطاعت کرو اور اگر کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کو فیصل بنالو۔

اس آیت کریمہ میں تین باتوں کا ذکر ہے:

۱۔ اللہ کی اطاعت

۲۔ اللہ کے رسول کی اطاعت

۳۔ امیر کی اطاعت

اللہ تعالیٰ کی اطاعت یہ ہے کہ قرآن پر عمل کیا جائے، رسول کی اطاعت یہ ہے کہ ان کی سنت پر عمل کیا جائے اور امیر کی اطاعت یہ ہے کہ قرآن وسنت پر عمل کے ساتھ اس کی سنت حسنہ پر عمل کیا جائے اور اگر اس بات میں اختلاف ہو جائے کہ امیر کا کون سا طریقہ سنت حسنہ میں شامل ہے، اور کون سا عمل خطا، یا غلبہ حال یا بشریت کے سبب ہے تو ایسی صورت میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا جائے۔ جس عمل کی اصل قرآن وسنت میں موجود ہو اس پر عمل کیا جائے ورنہ اس سے علاحدگی اختیار کر لی جائے۔ اب اگر کوئی انسان اس بات کے واضح ہونے کے بعد بھی امیر کی خطا، اس کے غلبۂ حال یا اس کی بشریت کی تقلید کرتا ہے اور اسے دین کا حصہ سمجھتا ہے تو یہ بدعت ہے جو سراسر گمراہی ہے۔

سنت کا لغوی وشرعی مفہوم

سنت لغت میں طریقہ اور سیرت کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ. (فتح:۲۳)

ترجمہ: یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے بھی جاری تھی۔

شریعت میں سنت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ خاص ۲۔ عام

خاص سنت وہ ہے جو قرآن کے مقابلے میں بولا جاتا ہے اور عام سنت وہ ہے جو بدعت کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام اقوال وافعال و احوال جو منسوخ نہ ہوں اور آپ کے ساتھ خاص نہ ہوں اور بعد میں بھی صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین وائمہ مسلمین نے اس پر عمل کیا ہو وہ خاص سنت ہے۔

عام سنت کی تعریف کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ ہر وہ عمل جس میں اس بات پر شرعی دلیل قائم ہو کہ اس میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، خواہ اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو، یا آپ کے زمانے میں کیا گیا ہو، یا نہ آپ نے اسے کیا ہو اور نہ آپ کے زمانے میں کیا گیا ہو، کیونکہ اس کام کی اس زمانے میں ضرورت نہیں تھی،

یااس لیے کہ اس وقت کوئی مانع موجود تھا۔

(مجموع الفتاویٰ، ج:۴، ص:۱۰۷، ۱۰۸)

سنت کی پہلی اور دوسری دونوں قسمیں اس حدیث سے ماخوذ ہیں جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ. (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کرو۔

اس حدیث میں ''سنتی'' سے خاص سنت مراد ہے اور ''سنت خلفائے راشدین'' سے عام سنت کی طرف اشارہ ہے جو قرآن کی زبان میں ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ۔ (لقمان:۱۵)

ترجمہ: اور اس کی پیروی کرو جو میری طرف متوجہ ہوں۔

بدعت کا شرعی ولغوی مفہوم

اہل لغت کے نزدیک کوئی ایسا کام کرنا جس کی پہلے کوئی مثال نہ رہی ہو بدعت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (بقرہ:۱۱۷)

ترجمہ: اللہ آسمان وزمین کو بغیر مثال اور نمونے کے بنانے والا ہے۔

بنیادی طور پر بدعت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ بدعت جس کا تعلق عقیدے سے ہو۔

۲۔ وہ بدعت جس کا تعلق عمل سے ہو۔

پھر ان دونوں کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ بدعت ضلالت ۲۔ بدعت ہدایت

امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ بدعت جو کتاب وسنت اور اثر واجماع کے خلاف ہو، یہ بدعت گمراہی ہے۔ دوسری وہ بدعت جو خیر ہو اور سنت سے نہ ٹکراتی ہو، یہ بدعت ہدایت ہے۔

(بیہقی، ج:۱، ص:۴۶۹)

بدعت کی جو تقسیم امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے وہ قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ. (حدید:۲۷)

ترجمہ: اور رہبانیت جس کو انھوں نے خود شروع کیا تھا، ہم نے اُن پر اللہ کی رضا تلاش کرنے کے علاوہ کچھ فرض نہیں کیا تھا، پھر انھوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا تو ہم نے ان میں ایمان والوں کو اجر عطا کیا اور ان میں اکثر لوگ فاسق ہیں۔

اس آیت کے ذیل میں امام قرطبی لکھتے ہیں:

اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ ہر نیا عمل بدعت ہے، چنانچہ جو کوئی بدعت (نیا اچھا عمل) ایجاد کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس عمل کی پابندی کرے اور اس کو ترک نہ کرے۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج:۲۰، ص:۲۷۳)

بدعت کی اسی تقسیم کی طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ (بخاری، جلد:۲، ص:۲۵۲) (یہ بدعت کتنی اچھی ہے) کہہ کر اشارہ کیا ہے، یوں ہی بدعت کی پہلی اور دوسری دونوں تقسیم اور پھر اس کی تعریف اس حدیث سے

ماخوذ ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. (متفق علیہ)

ترجمہ: جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات پیدا کی وہ مردود ہے۔

اس حدیث کے تین حصے ہیں:

۱۔ من احدث: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کے لیے نیا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ فی امرنا ھذا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعت وہ نیا عمل ہے جس کو اصل دین قرار دے دیا گیا ہو۔

۳۔ ما لیس منہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعت وہ نیا عمل ہے جس کو اصل دین قرار دے دیا گیا ہو اور شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہ ہو۔

حدیث کے ان تینوں حصوں سے جو مفہوم سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ بدعت ہر اس نئے عمل کا نام ہے جسے اصل دین بنا دیا گیا ہو اور شریعت میں اس کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

علما و فقہا نے بدعت ہدایت کی درج ذیل قسمیں کی ہیں:

۱۔ وہ بدعت جو واجب ہو، جیسے گمراہ فرقوں کی تردید وغیرہ

۲۔ وہ بدعت جو مندوب و مستحب ہو، جیسے مدارس کی تعمیر وغیرہ۔

۳۔ وہ بدعت جو جائز اور مباح ہو، جیسے عمدہ لباس پہننا۔

بدعت حسنہ، سنت حسنہ یا مصالح مرسلہ؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (مسند احمد، ج:۲۸، ص:۳۷۳)

ترجمہ: اپنے آپ کو نئی باتوں سے بچاؤ اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بعض علما اور فقہا نے یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "**کل محدثة بدعة**" (ہر نئی بات بدعت ہے) عام ہے جس میں نئی اچھی باتیں اور بری باتیں دونوں شامل ہیں۔ لیکن "**کل بدعة ضلالة**" (ہر بدعت گمراہی ہے) اس کا حکم مکمل طور سے عام نہیں ہے بلکہ بعض نئی اچھی باتیں دوسری احادیث کی روشنی میں اس عام حکم سے خارج ہیں۔ جب کہ بعض دوسرے علما نے یہ فرمایا ہے کہ مذکورہ حدیث کے ٹکڑے میں پہلے والے جملے کا حکم بھی عام ہے اور دوسرے جملے کا بھی۔ البتہ بدعت کی شرعی تعریف خاص ہے اور بدعت ایسی نئی بات کو ہی کہا جائے گا جس کی اصل شریعت میں موجود نہ ہو۔ رہ گئیں وہ نئی باتیں جن کی اصل شریعت میں موجود ہوں تو وہ بدعت نہیں کہلائیں گی بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کی روشنی میں سنت کے مفہوم میں وسعت پیدا کی جائے گی اور وہ سنت حسنہ کہلائیں گی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا. (نسا:۸۵)

ترجمہ: جو اچھی شفاعت کرے گا اس کو اس کا حصہ ملے گا اور جو بری شفاعت کرے گا اس کو اس کا حصہ ملے گا۔

اس آیت میں شفاعت سے "سنت" اور "طریقہ" بھی مراد لیا گیا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً،

فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، کُتِبَ عَلَیْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا یَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَیْءٌ۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ: جو اسلام میں کوئی اچھی سنت شروع کرے پھر بعد میں اس پر دوسرے لوگ بھی عمل کرنے لگیں تو اس کو اس عمل کا ثواب اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو اسلام میں کوئی بری سنت شروع کرے اور پھر اس پر بعد میں دوسرے لوگ بھی عمل کرنے لگیں تو اس کو اس عمل کا گناہ اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی ہوگا اور ان عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

یہاں ایک تیسرا گروہ بھی ہے جو نہ تو شرعی طور پر بدعت کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کرتا ہے اور نہ ہی سنت کے مفہوم کو وسیع کر کے سنت حسنہ کی اصطلاح قائم کرتا ہے اور نہ اصول شریعت پر مبنی نئے اعمال کو اس میں شامل کرتا ہے بلکہ حدیث "مَنْ سَنَّ فِی الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً" میں آنے والے لفظ "سنت حسنہ" کو بھی خاص سنت کے معنی میں لے کر اس حدیث سے کسی مردہ سنت کو زندہ کرنے کا معنی مراد لیتا ہے، لیکن یہ گروہ بھی اصول شرع پر قائم اچھی نئی باتوں کو بدعت ضالہ کے زمرے میں شامل نہیں کرتا بلکہ ایک تیسری اصطلاح مصالح مرسلہ قائم کرتا ہے۔

مصالح مرسلہ کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ نیا عمل جس کے لیے شریعت نے پانچ مصلحتوں (دین، نفس، مال، نسل اور عقل) میں سے کسی مصلحت کے پائے جانے کی وجہ سے حکم جواز باقی رکھا ہو۔ چنانچہ جب بھی اہل علم یہ محسوس کریں گے کہ اس عمل سے ایسی کوئی مصلحت حاصل ہو سکتی ہے تو وہ اس کی اجازت دے دیں گے، مثلاً کتابوں کی تصنیف، قرآن واحادیث کی تدوین و ترتیب وغیرہ۔ یہ سارے کام دین میں نئے ہونے کے باوجود اس گروہ کے نزدیک مصالح مرسلہ کی رو سے جائز اور درست ہیں۔

خلاصۂ کلام: اگر ان تینوں اصطلاحات پر اور سنت و بدعت کے بارے میں ہونے والے اختلافات پر غور کیا جائے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دراصل یہ اختلاف لفظی اور اصطلاحی ہے اور حقیقت میں سب کے یہاں اصول شرع پر قائم نئے اعمال کے جواز کی گنجائش موجود ہے، لفظی اور اصطلاحی طور پر اسے کوئی بھی نام دیا جائے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یوں ہی سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصول شرع پر قائم نئے اعمال اسی وقت تک بدعت حسنہ، سنت حسنہ یا مصالح مرسلہ کے دائرے میں داخل رہیں گے جب تک ان کو اصل دین نہ بنایا جائے بلکہ وسائل دین کے زمرے میں ہی رکھا جائے اور عین دین کی طرح ان کی پابندی نہ کی جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نئے اعمال ایسے ہوں جن کو سلف صالحین اور اہل اللہ نے کیا ہو۔

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ دو گروہ باہم دست و گریباں ہیں، ایک ہر نئے عمل کو شرک و بدعت قرار دینے میں لگا ہوا ہے تو دوسرا ہر فاسق و فاجر کے ہر نئے عمل کا دفاع کرتے ہوئے اس کو بدعت حسنہ کے زمرے میں شامل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا ہوئے ہے، جب کہ حق دونوں کے مابین ہے۔

☆☆☆

عبدالرحمن جامی

حضرت ذوالنون مصری قدس اللہ روحہٗ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق طبقۂ اول کے عارفین باللہ سے ہے۔اصل نام ثوبان ابن ابراہیم ہے اور کنیت ابوالفیض ہے جب کہ ذوالنون کے لقب سے مشہور ہیں۔

حضرت ذوالنون قدس سرہٗ مصر کے موضع 'اخمیم' میں رہتے تھے۔ان کے والد نوبی تھے یعنی ''نوبہ'' گاؤں کے رہنے والے تھے جو مصر کے علاقے میں ہے۔

شیخ ذوالنون مصری قدس سرہٗ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔انھوں نے امام مالک سے موطا پڑھا،فقہ کا درس لیا اور انھیں کا فقہی مذہب اختیار کرلیا تھا۔شیخ ذوالنون مصری کے پیرومرشد ایک مغربی شخص تھے جن کا نام اسرافیل تھا۔

شخصیت وعظمت

شیخ الاسلام ابواسمٰعیل عبداللہ بن محمد انصاری ہروی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ شیخ ذوالنون مصری قدس سرہٗ کی بلند وبالا ذات اس امر کی محتاج نہیں کہ ان کو کرامات سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہو،یا ان سے کرامات منسوب کی جائیں اور مقامات کو بیان کرنے کے ساتھ ان کی تعریف کی جائے۔

مقام وحال اور وقت تو ان کے ہاتھ میں ایک کھیل تھے اور ان کے نزدیک ایک درماندہ چیز،وہ تو امام وقت،یگانہ روزگار اور گروہ صوفیہ کے پیشوا تھے۔

تمام مشائخ کو ان سے نسبت ہے۔ہرچند کہ آپ سے قبل بھی بہت سے مشائخ گزرے ہیں لیکن یہ شرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ آپ نے اشارات (تصوف ومعرفت) کو عبارت کا لباس پہنایا اور تصوف کے رموز کی تشریح کی۔شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ایسا کوئی نہیں کرسکا تھا۔

آپ کے بعد دوسرے طبقے کے مشہور بزرگ صوفی حضرت شیخ جنید بغدادی قدس سرہٗ نے اس علم (تصوف) کو پھیلایا،اس کو ترتیب دیا اور اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں،(حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ کی تصانیف میں ''امثال القرآن وکتاب الرسائل'' زیادہ مشہور ہیں،ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں اس کا ذکر کیا ہے۔

لیکن صدیوں سے یہ کتابیں نایاب ہیں،شیخ شبلی قدس سرہٗ نے اپنی تقاریر اور مواعظ حسنہ کے ذریعے اس علم کو منبر پر لے جاکر ظاہر کردیا۔

شیخ ذوالنون مصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''میں نے تین سفر کیے اور تین علم لے کر آیا: پہلے سفر میں وہ علم لایا جس کو خاص وعام دونوں نے قبول کرلیا۔دوسرے سفر میں ایسا علم لے کر آیا کہ خواص نے قبول کرلیا،لیکن عوام نے قبول نہیں کیا اور تیسرے سفر میں وہ علم لایا جس کو نہ خواص نے قبول کیا اور نہ عوام نے فَبَقِیْتُ سَرِیْدًا طَرِیْدًا وَحِیْدًا یعنی میں لوگوں سے بھاگا ہوا،ردکیا ہوا اور تنہا رہ گیا۔''

شیخ الاسلام قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ان میں اول علم توبہ

کا تھا جس کو خاص وعام دونوں نے قبول کرلیا۔ دوسرا علم توکل اور معاملۂ محبت کا تھا جس کو خواص نے قبول کرلیا مگر عام لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ تیسرا علم حقیقت کا تھا جو خاص وعام کے علم وشعور اور ان کی سمجھ سے باہر تھا، اس لیے وہ اس کو قبول نہ کرسکے بلکہ ان کو چھوڑ دیا اور اس کا انکار کرنے لگے۔

شیخ ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے ۲۴۵ ہجری میں انتقال کیا۔ یہ المتوکل علی اللہ جعفر بن معتصم بن ہارون الرشید کا عہد تھا، جب شیخ کا جنازہ لوگ لیے جارہے تھے تو جنازے کے جلوس میں چلنے والے تمام لوگوں کو جنازے کے ساتھ پرندوں کے ایسے غول نے اپنے سائے میں لے لیا تھا کہ ایسے پرندے اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آئے تھے۔

ہاں! شیخ ذوالنون مصری کے بعد امام غزنی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے پر دوبارہ ایسے ہی پرندے دیکھے گئے۔

شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو عوام میں مقبولیت حاصل تھی، دوسرے دن ان کے مزار پر یہ عبارت ایسے خط (تحریر) میں لکھی دیکھی گئی جو لوگوں کے عام خط سے بالکل الگ تھی:

ذُوْالنُّوْن حَبِیْبُ اللّٰہِ مِنَ الشَّوْقِ قَتِیْلُ اللّٰہِ

ذوالنون محبوب خدا ہیں اور شوق محبت میں اللہ کے مقتول ہیں۔

اس عبارت کو کھرچ دیا گیا تو پھر یہی عبارت نمودار ہوگئی، جب بھی اس کو چھپایا جاتا دوبارہ پھر وہی عبارت ابھر آتی۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ:

''حضرت ذوالنون مصری کا آخری سفر وہ تھا جس کو پاؤں سے سر نہیں کیا جاتا بلکہ ہمت سے طے کیا جاتا ہے۔''

تعلیمات وفرمودات

حضرت ذوالنون مصری قدس اللہ سرہٗ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ مرید کون ہے اور مراد کس کو کہتے ہیں؟

☆ آپ نے جواب میں فرمایا:

اَلْمُرِیْدُ یَطْلُبُ الْمُرَادَ وَالْمُرَادُ یَھْرِبُ.

ترجمہ: مرید اپنی مراد طلب کرتا ہے اور مراد بے نیازی کا اظہار کرتا ہے۔

☆لَامُرِیْدَ وَلَامُرَادَ وَلَاخَبْرَوَلَااِسْتِخْبَارَ وَلَاحَدَّ وَلَارَسْمَ وَھُوَ الْکُلِّ بِالْکُلِّ.

ترجمہ: نہ کوئی مرید ہے نہ مراد، نہ خبر ہے نہ خبر کی طلب ہے، نہ حد ہے نہ رسم، بلکہ کل، کل کے ساتھ ہے۔

☆مَاعَزَّاللّٰہُ عَبْدً اَعَزَّمَنْ اَنْ یَّذُلَّ لَہٗ ذُلٌ عَلٰی نَفْسِہٖ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو اس سے بڑھ کر عزت نہیں دی کہ وہ اپنے نفس کو اللہ کے لیے ذلیل کرے۔

یعنی جس نے اللہ کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کیا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک معزز بندہ ہے۔

☆اَخفَی الْحِجَابِ وَاَشَدُّہٗ رُؤْ یَۃُ النَّفسِ وَتَدْ بِیْرُھَا.

ترجمہ: نفس کو دیکھنا اور اس کی تدبیر کرنا جمال الٰہی کے دیدار کے لیے سب سے بڑا اور سخت حجاب ہے۔

☆اَلتَّفَکُّرُفِیْ ذَاتِ اللّٰہِ جِھْلٌ وَالْاِشَارَۃُ اِلَیْہِ شِرْکٌ وَحَقِیْقَۃَ الْمَعْرِفَۃُ حَیْرَۃٌ.

ترجمہ: ذات الٰہی میں فکر کرنا جہل ہے اور اس کی طرف اشارہ کرنا شرک ہے اور معرفت کی حقیقت صرف حیرت ہے۔

(نفحات الانس، ص:۱۷۸تا۱۸۱)

اشتیاق عالم مصباحی

زندگی اور موت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ. (حجر:۲۳)

ترجمہ: ہم ہی زندگی اور موت دیتے ہیں اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں یہ واضح فرمادیا ہے کہ جسموں میں روح ڈال کر زندگی دینے والا اور جسموں سے روح نکال کر موت دینے والا، صرف اللہ ہے۔ اللہ جب تک چاہے گا موت وحیات کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا پھر ایک وقت وہ ہوگا جس میں ساری کائنات فنا ہوجائے گی اور باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہوگی۔

قرآن کریم میں ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ. (مریم:۴۰)

زمین اور زمین پر جو کچھ ہے سب کے وارث ہم ہیں اور ہماری ہی جانب سب لوٹائے جائیں گے۔

ایک دوسری آیت میں ہے:

وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ . (حدید:۷)

ترجمہ: آسمان وزمین میں سب کا وارث اللہ ہی ہے۔

فطرت انسانی ہے کہ شادی کے بعد اولاد کی خواہش ہوتی ہے اور اس کے لیے انسان اپنی زندگی کا پورا سرمایہ جھونک دیتا ہے۔ کبھی ڈاکٹروں کے یہاں، کبھی حکیموں کے گھر تو کبھی تعویذ نویسوں کے اردگرد چکر کاٹتا نظر آتا ہے، اگر کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہوجائے کہ وہ ماہر ڈاکٹر یا حکیم ہے تو ہر حال میں اس کے پاس پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کا قریبی رشتہ دار مرض الموت میں مبتلا ہے تو اپنا خون تک دے کر اُسے بچانے کی کوشش کرتا ہے، اب اگر وہ زندہ رہا تو رشتے داروں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور اگر ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی تو احباب واقارب آہ وفغاں کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ ''حیات وموت'' دو ایسے الفاظ ہیں جنھیں سن کر کبھی خوشی اور کبھی غمگین ہونا انسانی فطرت کا تقاضہ ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

أَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ، وَفُكُّوا الْعَانِيَ. (مشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ: بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور غلام آزاد کرو۔

تاکہ انسان ایک دوسرے کی خوشی وغم میں شریک ہوسکیں۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ، رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: ایک مسلم کا دوسرے مسلم پر پانچ حق ہیں:

۱۔ سلام کا جواب دینا ۲۔ مریض کی عیادت کرنا

۳۔ جنازہ میں شریک ہونا ۴۔ دعوت قبول کرنا

۵۔ پیاسے کو پانی پلانا

اسی طرح حکیم وطبیب کے پاس جانا اور دوا علاج کرانا کوئی عیب نہیں ہے، بلکہ جان کی حفاظت شریعت کا ایک بنیادی مقصد ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے منع کی ہوئی چیزوں کے کھانے کی بھی اجازت دی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ. (بقرہ:۱۷۳)

ترجمہ: اللہ نے تم پر جس کا کھانا حرام کیا ہے، وہ صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو جو شخص مجبور ہو جائے جب کہ نافرمانی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

لیکن جو ذات ''محی و ممیت'' ہے (یعنی زندگی اور موت عطا کرنے والی ہے) اس سے غافل ہو جانا اور اُسے بھلا دینا سب سے بڑا عیب ہے، کیونکہ حقیقت میں مومن کی شان إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ہے، یعنی خوشحالی ہو یا بدحالی ہر حال میں مومن بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا ہے۔

موت وحیات ایک امتحان ہے جسے بندوں کی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے قرآن مقدس میں ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا. (ملک:۲)

ترجمہ: اس نے موت اور زندگی اس لیے پیدا کی تا کہ تمہارا امتحان لے کہ کس نے اچھا کام کیا۔

یاد رکھیں! حسن عمل ہر اس کام کو کہا جاتا ہے جو صرف اللہ کے لیے کیا جائے، موت اور حیات ایسا امتحان ہے جس میں وہی بندہ کامیاب ہوتا ہے جو رضائے مولیٰ پر راضی ہو اور جس کا حال یہ ہو۔

نہ الم مرا الم ہے نہ خوشی مری خوشی ہے
مجھے جس طرح تو رکھے تری بندہ پروری ہے

ورنہ تو بڑے بڑوں کو شیطان نے اپنے جال میں کچھ اس طرح پھنسا یا کہ جسمانی مرض کے ساتھ ساتھ اعتقادی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ وہ زبان سے اللہ تعالیٰ کو خالق اور شافی مانتے ہیں لیکن ان کا دل ڈاکٹر وں اور حکیموں کو شفا دینے والا تسلیم کر رہا ہوتا ہے۔

افسوس ہے ان تعویذ نویسوں پر جنھوں نے اس فانی دنیا کی حقیر پونجی کے لیے تعویذات کے مقاصد ہی بدل ڈالے۔ میاں بیوی اور بھائیوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لیے جگہ جگہ تعویذ- گنڈے کی اپنی دوکان سجا رکھا ہے اور صحت یابی اور شفایابی کا خدائی دعوی کر رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگ زندگی کی تمنا کرتے ہیں، موت سے گھبراتے ہیں اور دنیا کی رنگینیوں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔

ان کے علاوہ ایک جماعت ایسی بھی ہے جسے خوف ہے تو بس اللہ کا اور شوق ہے تو بس ذکر کا۔ ان کے نزدیک زندگی موت اور موت زندگی ہے۔ ان کا دل کبھی بھی مالک حقیقی کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ وہ مشاہدۂ الٰہی سے زندہ رہتے ہیں، اللہ کی رضا کے لیے وفات پاتے ہیں اور اللہ کی مرضی کے آگے اپنی خواہشات وارادے کو بالکل ختم کردیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ. (حجر:۲۳)

ترجمہ: ہم ان کے قلوب کو اپنے مشاہدہ سے زندہ رکھتے ہیں اور ان کی خواہشات کو مجاہدہ کے ذریعے ختم کردیتے ہیں، دنیا ہی میں یہ:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. (رحمٰن:۲۶ تا ۲۷)

ترجمہ: زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور تمہارے رب کی عظمت و بزرگی والی ذات باقی ہے۔

اسی کا جلوہ دیکھتے ہیں اور ہر لمحہ غیب سے یہ آواز سنتے ہیں:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ.

آج کس کی بادشاہت ہے؟

عرض کرتے ہیں:

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ. (غافر:۱۶)

ایک اللہ کی بادشاہت ہے جو ہر شئے پر غالب ہے۔

☆☆☆

شاہی پروڈکٹس

(کول آئل، ہیر ٹانک، شاہی ہربل صابن، ٹوتھ پاؤڈر، روغن اسود، سفوف کشنیز)

مندرجہ ذیل ایجنسیوں سے حاصل کریں:

حافظ سرفراز، دھاراوی، ممبئی-17 موبائل:09819291874

خانقاہ نعمتی، مٹیابرج، کولکاتہ موبائل:09831746380

دھلی آفس:47/14: فرسٹ فلور، ایچ بلاک، بٹلہ ہاوس، اوکھلا، نئی دہلی-110025

Mob: 09899156384 / 9910865854

سید قمر الاسلام

نماز اور اس کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. (طہٰ:۱۳۲)

ترجمہ: اپنے رشتہ داروں کو نماز کی تاکید کیجئے اور خود بھی نماز کی پابندی کیجئے۔

نماز بہت اہم عبادت ہے، یہ اللہ کو یاد کرنے اور اس کی بندگی کے اظہار واعتراف کا جامع طریقہ ہے۔ دوران نماز ہر شخص چند لمحوں کے لیے مادی دلچسپیوں سے اپنا تعلق ختم کر لیتا ہے تاکہ وہ یکسوئی اور شوق وسرور کے ساتھ رب العالمین کے سامنے اپنی اطاعت وفرماں برداری اور بندگی کا ثبوت پیش کر سکے۔

ہر بالغ مسلمان مرد و عورت پر ایک دن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ ان پانچ نمازوں کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ صرف ان ہی پانچ عبادتوں میں اللہ کو یاد کیا جائے اور بقیہ اوقات میں بھلا دیا جائے بلکہ ایک صاحب ایمان کو چاہیے کہ وہ ہر لمحہ چاہے خوشی کی حالت میں ہو یا غم والم کی حالت میں، تنہا ہو یا دوستوں کی انجمن میں، کاروبار میں مصروف ہو یا بستر پر آرام کر رہا ہو، کسی بھی شعبے میں ہو، اللہ کو ہمیشہ یاد رکھے، کیونکہ یہی نماز کی حقیقت ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي . (طہٰ:۱۴)

ترجمہ: میری یاد کے واسطے نماز قائم کرو۔

نماز میں مومن اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے، اسی لیے نماز کو مومنوں کی معراج کہا گیا ہے۔ حالت نماز میں وہ رب کی قربت کا احساس کر کے دل کو تسکین اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کے بعد بھی اس کے ہر ہر عمل پر اس کے اثرات واضح طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ چونکہ نماز ادا کرنا اللہ کی ناراضگی سے محفوظ رہنے اور اس کی رضا کے مطابق زندگی گذارنے کا معاہدہ ہے، اس لیے نمازی ہر لمحہ اس پر قائم رہنے کے لیے کمر بستہ رہتا ہے۔ بندے کے دل میں گناہوں سے نفرت اور نیکیوں سے محبت ورغبت پیدا کرنا ہی نماز کا اصل مقصد ہے۔ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ. (عنکبوت:۴۵)

ترجمہ: بے شک نماز فحش کاموں اور ناپسندیدہ چیزوں سے روک دیتی ہے۔

لیکن ہمارا طرز عمل انتہائی افسوس ناک ہے، کیونکہ ہم میں سے بیشتر لوگوں کو نماز سے سروکار ہی نہیں یا اگر ہے بھی تو ہم نماز ادا کرنے کے باوجود بھی برابر گناہوں میں مبتلا ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس شوق ولگن، اخلاص ویکسوئی، خشوع وخضوع اور عجز ونیاز کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے جس کا وہ تقاضا کرتی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ایسی نماز اللہ کو مطلوب نہیں، اس لیے کہ اس سے نہ تو اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی عبادت کا حق ادا ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم تنهه صلاته عن الفحشاء و المنكر لم يزددمن الله الا بعدا. (المعجم للطبرانی،ج:۱۱،ص:۵۴)

ترجمہ: جس شخص کواس کی نماز برائی اور بے حیائی سے نہ روکے اُسے اللہ تعالیٰ سے دوری اوراس کی ناراضگی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

نماز کی حقیقت

نماز کے لیے کچھ شرائط ہیں جن کے بغیر نماز ادائیگی نہیں کی جاسکتی ہے:

۱۔طہارت: یعنی پاکی حاصل کرنا، یہ نماز کی بنیادی شرطوں میں سے ایک ہے۔ یہ جہاں مختلف بیماریوں سے محفوظ رکھنے میں مددگار ہے وہیں اللہ کی رضا حاصل کرنے میں معاون بھی ہے،قرآن کریم میں ہے:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ. (توبہ:۱۰۸)

اللہ خوب پاکی حاصل کرنے والوں کومحبوب رکھتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اَلطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ. (مسنداحمدج۲،ص،۲۶۰)

یعنی پاکی حاصل کرنا آدھا ایمان ہے۔

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ نمازی اپنا بدن ،لباس اور نماز کی جگہ کو پاک وصاف کر لے جب کہ اس کا ایک دوسرا مطلب روح کی طہارت ہے اوروہ یہ ہے کہ جسم کا ہر عضو گناہوں سے پاک ہو، پیٹ حرام غذا سے محفوظ ہو اور دل برے اورفاسد خیالات کی آلودگیوں سے یکسر صاف ہو،تا کہ اللہ کی رحمت وتجلی جب دل پر پڑے تو قلب معمور ہوئے بغیر نہ رہ سکے اوراگر کبھی بھول چوک سے کوئی گناہ بھی ہو جائے تو فوراًتوبہ وندامت کے ذریعے دل سے تکبر،خود پسندی،ریاکاری، منافقت،کینہ وحسداوربغض وبد دیانتی کے میل کودور کرلیا جائے۔چونکہ یہ مشکل ہے،اس لیے توبہ واستغفار کے ساتھ اللہ سے مدد بھی طلب کرے کہ:

اَللّٰهُ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ. (نسا:۴۹)

ترجمہ: وہ جسے چاہتا ہے گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔

۲۔سترعورت: یعنی جسم کے ان حصوں کوانسانوں کی نگاہ سے چھپانا جن کا دیکھنا گناہ ہے۔لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اُن عیبوں اور کمیوں کو چھپانے کی کوشش کی جائے جن کا علم صرف اللہ رب العزت کو ہے۔ چنانچہ خوف وحیا کی چادر سے گناہوں پر پردہ ڈال کر شرمساری کا اظہار کرنا چاہیے ،اللہ رب العالمین جو عیبوں کو چھپانے والا ہے،اس سے فریاد کرنا چاہیےاور پھر یہ کہنا چاہیے کہ:

وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (آل عمران:۱۹۴)

ترجمہ: یااللہ! ہمیں روز قیامت کی رسوائی سے بچا۔

کیونکہ وہی ذات ہے جو قیامت کے دن گناہوں پر مواخذہ اورعذاب سے نجات دے سکتی ہے۔

استقبال قبلہ: یعنی نماز میں کعبہ کی طرف رخ کرنا۔ یہ استقبال قبلہ کا ظاہری مفہوم ہے،لیکن اس کا باطنی مفہوم یہ ہے دل کودنیا کی تمام خواہشات اور خیالات سے ہٹا کرصرف اللہ رب العزت کی طرف موڑ دیا جائے ،اس لیے کہ اصل مقصود رب کعبہ ہے کعبہ نہیں،اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے:

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ. (قریش:۳)

ترجمہ:اس گھر کے رب کی عبادت کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا قَامَ الْعَبْدُ اِلٰی صَلٰوتِهٖ فَكَانَ هَوَاهُ وَوَجْهُهٗ وَقَلْبُهٗ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِنْصَرَفَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ

(کنزالعمال، ج:۷ص:۳۰۲)

ترجمہ: جب بندہ نماز کے لیے اس طرح آئے کہ اس کے خیالات، اس کا چہرہ اور اس کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہو تو وہ نماز سے ایسے واپس ہوتا ہے جیسا کہ پیدائش والے دن تھا۔

اسی مفہوم کو قرآن کریم میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا. (انعام:۸۰)

ترجمہ: کامل یکسوئی کے ساتھ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔

۳۔نیت: نیت دل کے پختہ ارادے کا نام ہے، حدیث شریف میں ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ. (صحیح بخاری)

ترجمہ: اعمال کی مقبولیت کا دارمدار نیتوں پر ہے۔

لہٰذا ہم نماز شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت درست کریں، اس لیے کہ لِكُلِّ امْرِءٍ مَانَوٰی. یعنی ہر ایک کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔

لیکن اس نیت کی روحانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ثواب کا خیال بھی ذہن میں نہ لائیں کہ یہ خودغرضی ہے بلکہ صرف قرب الٰہی کا پکا ارادہ کریں اور اسی کی رضا و خوشنودی کی مکمل امید رکھیں، بقول اقبال:

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

۴۔تکبیر تحریمہ: یعنی اللہ اکبر کہنا، یہ اس بات کا اعلان کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔ ان ہی دو لفظوں سے نماز کا آغاز ہوتا ہے، گویا کہ اللہ کی عظمت و برتری کا احساس اور اس کے سوا ہر شئے کی کمتری کا تصور ہی نماز کا پہلا سبق ہے۔ ہم جب بھی زبان سے ''اللہ اکبر'' کہیں تو اس وقت اپنے ضمیر کا احتساب کریں کہ اس کو اللہ کی جلالت و کبریائی پر یقین ہے بھی یا نہیں، کہیں ہمارا دل کسی اور کو تو بڑا نہیں مانتا، اگر واقعی ایسا ہے تو ہم اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر جھوٹ بول رہے ہیں اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ تکبیر تحریمہ نماز کا پہلا عمل ہے، اگر ہم پہلے ہی عمل کو دل و زبان کی یکسانیت کے ساتھ ادا نہیں کر سکے تو آگے کے بقیہ اعمال بھی صحیح ڈھنگ سے ادا نہیں ہو سکتے۔

۵۔قیام: یعنی جسم اور دل کی ہم آہنگی کے ساتھ کھڑا ہونا، یہ اس طور پر ہو کہ سر جو جسم میں سب سے اوپر ہوتا ہے وہ جھکا رہے اور دل میں تواضع وانکساری کا جذبہ ہو۔ جس طرح ایک مجرم جج کے سامنے یا ایک غلام اپنے آقا کے روبرو کھڑا ہوتا ہے، اسی طرح کھڑا رہے اور قیامت کا وہ منظر یاد کرے جب اپنے اعمال کا حساب دینے کے لیے ہر شخص کو اللہ کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ. (نازعات:۴۰تا۴۱)

اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے خائف رہا اور خود کو گناہوں سے بچایا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

۶۔قرات: یعنی قرآن شریف کی تلاوت کرنا، تلاوت نہایت ادب وشائستگی اور ترتیل سے کرنا چاہیے۔ جلدی جلدی تلاوت کرنا (اخبار کی طرح پڑھنا) خلافِ ادب اور گستاخی ہے اور یہ تکبر کی علامت بھی ہے، جب کہ نماز کفر وشرک کے بت کو توڑ کر ایک اللہ کی عظمت کا اعلان ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصَّلاۃُ مَثْنٰی مَثْنٰی، تَشَھَّدُ فِی کُلِّ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ تَضَرَّعُ وَتَخَشَّعُ، وَتَمَسْکَنُ، وَتَرْفَعُ یَدَیْکَ تَقُولُ تَسْتَقْبِلُ بِھِمَا وَجْھَکَ، وَتَقُول: یَا رَبِّ یَا رَبِّ، فَمَنْ لَمْ یَفْعَلْ فَھِیَ خِدَاجٌ . (سنن کبریٰ، ج:۲،ص:۶۸۶)

ترجمہ: نماز دو دو رکعت ہے، ہر دو رکعت میں تشہد پڑھو، تواضع، خوف اور گریہ وزاری کا اظہار کرو اور تم اپنا ہاتھ اپنے چہرے کے سامنے لاکر اے میرے رب، اے میرے رب پکارو! جس نے ایسا نہیں کیا اس کی نماز نامکمل ہے۔

اور نماز میں جو کچھ تلاوت کرے اس پر پختہ یقین رکھے اور ذہن بھی حاضر رکھے، مثلاً جب الحمدللّٰہ رب العٰلمین کی تلاوت کرے تو اللہ کی بے پناہ خوبیوں اور نعمتوں کو یاد کرے اور ہر خوشی کو اس کی عطا سمجھے۔ الرحمٰن الرحیم کہے تو دل میں ایک امید پیدا کرے اور مالک یوم الدین کی تلاوت کرے تو لرز اٹھے۔

امید اس لیے کہ اللہ کی شان رحیمی کا سمندر اتھاہ ہے اور خوف اس لیے کہ سزا وجزا کے دن وہ ایک ایک عمل کا حساب لے گا۔

پھر خلوص دل سے کہے کہ میں صرف تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور ہر لمحہ تیری ہی مدد کا طلب گار ہوں، کیونکہ تیرے فضل کے بغیر تیری عبادت کا حق نہیں ادا کیا جاسکتا۔

۷۔رکوع: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شاہانہ عظمت وجلال اور شان وشوکت کے آگے انتہائی عاجزی اور انکساری محسوس کرے کہ اپنے آپ کو معمولی اور ادنی جانے اور بار بار یہ اقرار کرے کہ سبحان ربی العظیم یعنی سب سے عظمت والی اور پاک ذات میرے رب کی ہے۔

۸۔سجدہ: اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے جسم کے مرکزی حصے یعنی سر کو زمین پر رکھے جو عاجزی کے اظہار کا اعلیٰ درجہ ہے، اس وقت اللہ کی عظمت کا یہ کہہ کر اعتراف کرے کہ **سبحان ربی الاعلیٰ** یعنی میرے رب ہی کی ذات سب سے بلند ہے۔ بار بار اس کی تکرار کرے تا کہ دل کو بھی اس پر کامل یقین ہوجائے، یہی وہ حالت ہے جس میں بندہ اللہ سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ. (علق:۱۹)

ترجمہ: سجدے کے ذریعے اللہ کی قربت حاصل کرو۔

حاصل یہ کہ نماز خالق سے مخلوق کا تعلق مستحکم کرنے کا اہم ذریعہ ہے، نماز سے غفلت اور منہ موڑنا یا بے دلی کے ساتھ نماز ادا کرنا ایک مومن کے شایان شان نہیں ہے۔

ایک صالح مومن بندے کے لیے اس سے بڑی حسرت اور افسوس کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک کی بندگی کے اعتراف میں ایک سجدہ بھی صحیح ڈھنگ سے نہ ادا کرسکے۔ اے کاش! ہمارے دل میں ایمان کی حرارت پیدا ہوتی اور ہماری جبین نیاز میں سجدوں کی تڑپ جاگ جاتی۔ ☆☆

عبدالرحمن سعیدی

صحابۂ کرام کے اوصاف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلٰى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا . (فتح:۲۹)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور صحابۂ کرام کفار پر بہت سخت ہیں اور آپس میں رحم دل، آپ انھیں رکوع سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کرتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے اُن کے چہروں پر ان کی نشانی ہے۔ ان کی یہ صفات تورات میں ہے اور انجیل میں۔ ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے کھیتی ہو اور اس نے اپنی باریک کونپل نکالی ہو پھر وہ مضبوط ہوگئی پھر وہ موٹی ہوگئی پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کاشتکاروں کو بھلی لگی تاکہ کافروں کے دل جلائے۔ اللہ نے ایمان والوں اور اُن میں سے نیک عمل کرنے والوں سے مغفرت کا اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

ان آیات میں اصحاب رسول کے امتیازی اوصاف کو دو تاریخی پیشن گوئیوں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے:

ایک وہ پیشن گوئی جو تورات میں موجود ہے۔

دوسری وہ پیشن گوئی جو انجیل میں موجود ہے۔

اشداء علی الکفار

اصحاب رسول کی پہلی صفت قرآن نے اشداء علی الکفار کے ذریعے بیان کی ہے کہ صحابۂ کرام کفار پر زیادہ سختی کرنے والے ہیں۔

اشداء شدید کی جمع ہے جس کا معنیٰ عظیم بہادر اور مذہب کے معاملے میں سخت موقف اختیار کرنے والے، اب اس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہونے والے، کفار کے مقابلے میں بڑے ہی بہادر اور اپنے مذہب کے سخت پابند تھے، انھیں اپنا سر کٹنا ناپسند تو تھا مگر ظلم کے سامنے سر جھکا ناپسند نہیں اور نہ مذہبی معاملات میں کسی طرح کا کوئی سمجھوتہ منظور تھا، نہ کسی رشتے ناطے کو مذہب کی راہ میں آنے دیتے تھے، اگر انھیں کچھ پسند تھا تو صرف یہی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کیسے حاصل ہو اور اس کے لیے وہ ہر رشتے ناطے کو قربان کرنے کے لیے ہمہ دم تیار نظر آتے تھے۔ جب کہ کفار مکہ مذہب کے معاملے میں اس قدر سخت نہ تھے بلکہ وہ اپنے رشتے ناطے پر مذہب کو بھی نظر انداز

کردیا کرتے تھے۔

رحماء بینھم

اصحاب رسول کی دوسری صفت قرآن نے رحماء بینھم بیان کی ہے کہ صحابۂ کرام آپس میں انتہائی ہم درد اور خیر خواہ ہیں، مہربان اور بڑے ہی نرم دل ہیں۔ اس کی غیر معمولی اہمیت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ اصحاب رسول کے درمیان اختلافات موجود ہونے کے باوجود متحد نظر آتے ہیں۔ ان کی اس باہمی مروت و محبت کو پیغمبر اسلام نے یوں بیان فرمایا ہے:

مَثَلَ الْمُؤْمِنِينَ وَمَثَلَ تَوَادِّهِمْ وَتَحَابِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى بَعْضُهُ تَدَاعٰى سَائِرُهُ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى. (مسند الطیالسی، ج:۲،۱۳۹)

ترجمہ: مسلمانوں کی مثال باہمی محبت اور ایک دوسرے پر شفقت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم اگر اس کا کوئی عضو بیمار ہو جاتا ہے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نیند نہیں آتی۔

تراھم رکعا سجدا

اصحاب رسول کی تیسری صفت تراھم رکعا سجدا ہے یعنی اکثر اوقات وہ رکوع اور سجود میں مشغول رہتے ہیں۔ دیکھنے والے جب بھی انھیں دیکھتے ہیں تو کبھی وہ حالت رکوع میں ہوتے ہیں اور کبھی اللہ کی بارگاہ میں اپنی پیشانی کو رکھے رہتے ہیں۔ گویا ہر لمحہ وہ ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے، ان کے دل اور دماغ میں خدا کی بڑائی کے سوا کوئی اور کوئی بڑائی باقی نہیں رہ گئی تھی۔

یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا

اصحاب رسول کی چوتھی صفت یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا ہے یعنی وہ ہمیشہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام کا کفار پر سختی کا معاملہ ہو، اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ رحم دلی کا سلوک ہو یا پھر شب وروز رکوع اور سجود میں مشغول رہنا، تمام اعمال سے ان کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا تھا، انھیں اس بات پر یقین کامل تھا کہ عطا کرنے والا اور کامیابی وناکامی کی بنیاد اللہ ہی کی رضا ہے، اس لیے ہر معاملے میں اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی رہتے تھے۔

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود

صحابہ کی پانچویں صفت سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ہے یعنی عبادت کے مخصوص آثار اُن کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ صحابہ کی اس جماعت کو پہچاننا مشکل نہیں ہے ان کے چہروں پر نور ایمان کے جلوے صاف دکھائی دیتے ہیں، دیکھنے والا دیکھتے ہی انھیں پہچان لیتا ہے کہ یہ صحبت نبوی کے تربیت یافتہ اور نگاہ رسالت کے فیض یافتہ ہیں۔ ''سیما'' سے مراد وہ نشان نہیں جو آج کل عام طور پر کچھ لوگوں کی پیشانی پر دیکھائی دیتا ہے، بلکہ اس سے مراد وہ نور

باطن ہے جو عبادت گزاروں اور عابد شب زندہ داروں کی پیشانی پر ظاہر ہوتا ہے۔

ذلک مثلهم فی التورات ومثلهم فی الانجیل کزرع اخرج

ان کی یہ مثال توریت وانجیل میں جو مذکور ہے وہ اس طرح ہے جیسے ایک کھیتی کہ وہ ایک کمزور کونپل کی شکل میں نمودار ہو، اس میں شاخیں نکلیں اور پھر ایک دن وہ مضبوط تناور درخت ہو کر بالکل سیدھی ہو گئی۔

صحابہ کرام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تھے، بعد میں صحابہ نے آپ کی دعوت کو قبول کی، دھیرے دھیرے ان کی تعداد بڑھتی گئی اور فتح مکہ کے موقع پر صحابہ کی تعداد دس ہزار ہو گئی یہاں تک کہ ''حجۃ الوداع'' کا موقع آیا تو ان کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہو گئی اور اسلام ایک سرسبز وشاداب اور تناور درخت کی شکل میں دنیا کے سامنے نمودار ہوا۔

یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار

اور جب اسلام مضبوط ہو کر ابھرا اور دین کا بول بالا ہر طرف ہونے لگا تو کفار ومشرکین حسد اور غیظ وغضب کی آگ میں جل بھن کر کباب ہو گئے اور کفار ومشرکین کا یہ عمل فطری تھا کہ یہ پہلی شکست تھی جو انھیں اسلام کے ماننے والوں کی طرف سے ملی تھی۔ اب تک کفار ومشرکین اصحاب رسول کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن اسلام کی اس جیت نے انھیں یہ احساس دلا دیا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو روک پانا تقریباً ناممکن ہے، اس لیے وہ حسد اور غصے کی آگ میں جل رہے تھے اور حیرت زدہ بھی کہ جس ہار کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے وہ انھیں مل چکی تھی۔

وعداللہ الذین امنوا

اس عظیم کارنامہ اور حسن عمل کے بدلے اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے آخرت میں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی یہ اعلان کر دیا کہ اللہ صحابہ سے راضی ہے اور صحابۂ کرام اللہ سے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رضی اللہ عنهم ورضوا عنه

ترجمہ: اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

یہ بشارت اگرچہ براہ راست صحابہ کرام کے لیے ہے مگر بالواسطہ تمام مسلمانوں کے لیے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور اہل اللہ کی صحبت میں رہتے ہیں۔

☆☆☆

معذرت

نومبر کے شمارے میں صفحہ: ۲۷ پر ''فرشتے اللہ کی مخلوق نہیں'' کے بجائے ''**فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں**'' پڑھا جائے۔ اس کوتاہی کے لیے قارئین سے ہم معذرت خواہ ہیں، اللہ ہماری اس کوتاہی کو معاف فرمائے۔ ساتھ ہی ہم اپنے قارئین کے شکر گزار ہیں جنھوں نے ہماری لغزش پر ہمیں مطلع کیا۔ (ادارہ)

شاہد رضا ازہری

صلہ رحمی اور ہمارا عمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ. (رعد:۲۱)

ترجمہ: اور جو اُن رشتوں کو جوڑتے ہیں جن کو جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور عذاب کی سختی سے خوف کھاتے ہیں۔ (اس کے لیے آخرت میں بھلائی ہے)

صلہ رحمی کا لغوی اور شرعی مفہوم

وصل، فصل کی ضد ہے۔ وصل کا معنی جوڑنا اور فصل کا معنی جدا کرنا ہے، قرآن کریم میں ہے: وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ. (قصص:۵۱)

ترجمہ: اور بے شک ہم ان کے لیے اپنا کلام وصل کے ساتھ بھیجتے رہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

قرآن وحدیث میں صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے رشتہ داروں اور والدین کے ساتھ صلہ رحمی، نرمی وشفقت اور میل جول کا برتاؤ کرے۔

ایک لفظ 'برّ' بھی ہے جو صلہ رحمی کے لیے استعمال ہوتا ہے، اگر کوئی انسان صلہ رحمی اور نرمی وشفقت سے پیش آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے برّ کی ہے، اس کو قرآن کریم میں بڑے ہی نفیس انداز میں بیان کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ. (ممتحنہ:۸)

ترجمہ: جن لوگوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تمھیں گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تمھیں ان کے ساتھ صلہ رحمی اور انصاف کرنے سے منع نہیں فرماتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

آج کل معاشرے میں قطع تعلق کی ایسی وبا چل نکلی ہے جسے دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ خواہ پڑھا لکھا طبقہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ، ہر کوئی قطع تعلق، بداخلاقی، بدگمانی اور بغض وحسد کا شکار ہے۔ جب کہ قرآن کریم اور احادیث کریمہ میں صلہ رحمی، حسن سلوک اور اخلاق حسنہ پر کافی زور دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے کا چلن عام ہوگیا ہے۔

بندوں کی تعظیم وتوقیر، ان کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ. (حجرات:۱۰)

ترجمہ: مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائی کی اصلاح کرو یا ان کے درمیان صلح کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اگر انسان سینے میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو اور یہ امید بھی کہ کل قیامت میں اللہ کے رحم وکرم سے حصہ ملے گا تو

اُسے چاہیے کہ ہر ایک کے ساتھ صلہ رحمی اور نرمی سے پیش آئے اور ہر ایک کی پریشانی دور کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

۱۔ لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ. (صحیح مسلم)

ترجمہ: تعلق توڑنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

۲۔ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ. (صحیح بخاری، کتاب الادب)

ترجمہ: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے میل جول رکھے۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی گناہ پر جلدی مواخذہ نہیں فرماتا لیکن برائی و بدکاری اور رشتہ منقطع کرنے والوں کو دنیا میں بھی رسوا کرتا ہے اور آخرت میں بھی اُسے عذاب دیتا ہے جہاں کوئی یارو مددگار نہ ہوگا۔ اس لیے صلہ رحمی اور اسوۂ حسنہ کو اپنانے میں ہی بھلائی ہے تاکہ دنیا وآخرت کی ذلت و رسوائی سے اپنے آپ کو بچایا جاسکے۔

عام طور پر معاشرے میں یہ ہوتا ہے کہ کسی نے کسی کے ساتھ اچھا کام کیا اور اس کا بدلہ نیکی سے دے دیا تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے صلہ رحمی کی اہم ذمے داری کو پورا کر لیا جب کہ اس نے صلہ رحمی نہیں کی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي، وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ مَنْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا. (صحیح بخاری، باب الرحم)

ترجمہ: جو شخص نیکی کے بدلے نیکی کرے وہ رشتہ جوڑنے والا نہیں، بلکہ رشتہ جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ رشتہ جوڑے۔

اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی اور حسن سلوک نہ کرنے والوں پر سخت وعیدیں فرمائی ہیں، اس لیے قطع رحم سے بچنا چاہیے اور اپنے اندر صلہ رحمی جیسی صفات پیدا کرنا چاہیے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا یہاں تک کہ جب اس سے فارغ ہوگیا تو رحم نے کھڑے ہو کر کہا: قطع رحم سے پناہ مانگنے والے کا یہ مقام ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ میں اس سے رشتہ جوڑتا ہوں جو تم سے رشتہ جوڑے اور اس سے قطع تعلق کر لیتا ہوں جو تم سے قطع تعلق کرے، رحم نے کہا: کیوں نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تمہارا حق ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ، أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ، أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا. (صحیح مسلم، باب صلۃ الرحم)

ترجمہ: کیا تم اس بات کے قریب ہو کہ اگر تم حکومت حاصل کر لو تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور قطع رحمی کرو، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی تو ان کو بہرا بنا دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا تو کیا یہ قرآن کریم میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے ہمیشہ خیر

چاہتے تھے، یہی سبب ہے کہ آپ نے ہر مسلمان کو بغض وحسد، کینہ اور قطع تعلق سے باز رہنے کا حکم دیا ہے، ارشاد نبوی ہے:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ، وَلاَ تَحَسَّسُوا، وَلاَ تَجَسَّسُوا، وَلاَ تَحَاسَدُوا، وَلاَ تَدَابَرُوا، وَلاَ تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا.

(صحیح بخاری، باب تحاسد)

ترجمہ: گمان سے بچو کیوں کہ گمان جھوٹی بات ہے اور کسی کی ٹوہ میں نہ پڑو اور کسی کی جاسوسی نہ کرو اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور ایک دوسرے سے بغض وکینہ نہ رکھو اور ایک دوسرے سے پیٹھ مت پھیرو اور اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَاتَحَاسَدُوْا وَتَبَاغَضُوْا وَتَقَاطَعُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا. (صحیح مسلم)

ترجمہ: ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو اور آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ، تَقُولُ: مَنْ وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللَّهُ. (مسلم، باب صلۃ الرحم)

ترجمہ: رحم عرش کے ساتھ لٹکا ہوا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ جس نے مجھ سے رشتہ جوڑا اللہ تعالیٰ اس سے اپنا رشتہ جوڑے گا اور جس نے مجھ سے رشتہ توڑا اللہ اس سے رشتہ منقطع کرلے گا۔

اب اگر اس صورت میں بھی کوئی صلہ رحمی نہ کرے اور قطع تعلق سے کام لے تو اُسے بدبختی کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوگا اور اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ زبان سے تو اسلام، ایمان اور احسان کا ذکر کررہا ہے لیکن عمل میں لانے کی کوشش نہیں کررہا جب کہ اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کے ساتھ عملی اظہار کا ہونا بھی ضروری ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا. (بقرہ:۸۳)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی بات کہنا۔

۲۔ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا. (اسرا:۲۳)

ترجمہ: اور آپ کے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو انھیں اُف تک نہ کہنا، نہ جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرنا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور پوچھا:

مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّکَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّکَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّکَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوکَ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: کون لوگ میرے حسن سلوک کے حقدار ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، کہا: پھر کون؟ فرمایا: پھر تمہاری ماں، کہا: پھر کون؟ فرمایا: پھر تمہاری ماں، کہا: پھر کون؟ فرمایا: پھر تمہارا باپ۔

آج کے اس ماحول میں کچھ ماڈرن لوگ اپنے والدین کو اہمیت نہیں دیتے ہیں انھیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات سے عبرت لینے کی ضرورت ہے۔

بوڑھوں اور بچوں کے ساتھ صلہ رحمی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اقرع بن حابس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حسن وحسین کو چوم رہے ہیں تو انھوں نے کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو نہیں چوما، یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ اِنَّهٗ مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ. (ترمذی، باب رحمۃ الولد)

ترجمہ: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

۲۔ رحم کرنے والوں پر اللہ رحم فرماتا ہے اس لیے تم زمین والوں پر رحم کرو اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔ (ترمذی، باب رحمۃ الناس)

حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک بوڑھا شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا تو وہاں پر بیٹھے لوگوں نے انھیں جگہ دینے میں تاخیر کردی۔

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا.

(سنن ترمذی، باب رحمۃ الصبیان)

ترجمہ: وہ ہم میں سے نہیں جس نے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت نہ کی۔

یتیم کے ساتھ صلہ رحمی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَاَشَارَ بِاَصْبَعَيْهِ يَعْنِيْ شَبَّابِهٖ وَالْوُسْطٰى. (جامع الترمذی)

ترجمہ: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا، جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے اور آپ نے شہادت کی انگلی اور درمیان کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔

اب ذرا سوچیے کہ کبھی ہم نے کسی یتیم کی کفالت کی، یا اس کے ساتھ کبھی شفقت اور صلہ رحمی کا برتاؤ کیا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یتیموں کو سہارا دینے کے بجائے انھیں رسوا کرنے اور ڈانٹنے پھٹکارنے کا کام کیا ہے جو نہ اللہ کو پسند ہے اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

اور یہ صلہ رحمی، شفقت ومحبت اور حسن سلوک کی باتیں اسی وقت ممکن ہے جب انسان کا نفس پاک ہو جائے اور اس کے لیے کسی اہل اللہ کی صحبت ضروری ہے۔

☆☆☆

افتخار عالم سعیدی

اولاد والدین کے لیے آزمائش

انسان فطری طور پر اپنے مال، اپنی اولاد اور بیوی سے زیادہ محبت کرتا ہے، ان کی باتوں کو مانتا ہے اور انھیں خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، لیکن ایک مومن بندے کی زندگی میں ان تمام باتوں کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے کیونکہ اس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی، اس کے احکام کی پابندی، اس کی اطاعت وفرماں برداری اور ذکر وفکر کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔

اولاد آزمائش کیوں؟

اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے دنیا میں جہاں انسان کو طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے وہیں اولاد کی شکل میں ایک بڑی آزمائش سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یوں تو زندگی میں ہر طرح کی آزمائش بڑی ہوتی ہے لیکن میں جہاں تک سمجھتا ہوں تمام آزمائشوں میں سب سے بڑی آزمائش اولاد کی صورت میں سامنے آتی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (تغابن:۱۵-۱۶)

ترجمہ: تمھارے مال، تمھاری اولاد آزمائش ہیں اور اللہ کے یہاں بڑا ثواب ہے تو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، فرمان سنو اور حکم مانو اور اپنے لیے اللہ کی راہ میں پسندیدہ مال خرچ کرو اور جس نے اپنے آپ کو لالچ سے بچالیا وہی لوگ کامیاب ہیں۔

آیت کریمہ میں مذکور ''اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ'' کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھی آدمی مال اور اولاد کی محبت میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ اُسے آخرت کی کچھ فکر باقی نہیں رہتی اور وہ آخرت کے عظیم سرمایوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

اولاد تین طرح سے والدین کے لیے آزمائش ہیں:

پہلا: اس طرح کہ والدین اپنی اولاد کی تربیت نہیں کر پاتے اس لیے ضروری ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ انصاف کریں، انھیں صحیح راستے کی رہنمائی کریں، دین اور دنیا کی تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں، نماز پنجگانہ کی پابندی کرائیں، دنیا کی تمام برائیوں سے دور رکھیں، گالی گلوج، جھوٹ، غیبت اور مکاری وفریب کاری سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ مہذب، شائستہ اور اخلاق حسنہ کا پیکر ہوں، ان کے کردار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی جھلک دکھائی دے۔

اگر والدین ایسا نہیں کرتے تو ان کی اولاد صحیح راستے سے بھٹک جاتی ہیں اور گناہوں کا ارتکاب کرنے لگتی ہیں۔ انھیں نہ تو نماز- روزے سے کچھ سروکار ہوتا ہے اور نہ انھیں عزت واحترام سے کوئی واسطہ۔ اس کی وجہ سے وہ گناہ پہ گناہ

کرتے چلے جاتے ہیں جس کا انھیں احساس تک نہیں ہوتا۔

آخرت میں والدین سے اولاد کی تربیت کے بارے میں سوال ہوگا کہ انھوں نے ان کی صحیح تربیت کیوں نہیں کی، انھیں نماز ترک کرتے دیکھا تو ان کی اصلاح کیوں نہیں کی اور انھیں برائیوں میں ملوث پایا تو نظر انداز کیوں کر دیا وغیرہ۔

جو والدین اپنی اولاد کی صحیح تربیت نہیں کرتے انھیں قیامت کے دن اللہ کے قہر کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، اس لیے اس آزمائش و امتحان میں کامیابی حاصل کرنا بے حد ضروری ہے، تاکہ والدین بارگاہ الٰہی میں منہ دکھانے کے قابل ہوں اور اللہ کو راضی کرسکیں۔

دوسرا: اس طرح کہ والدین خود اولاد کی وجہ سے اللہ کی عبادت سے محروم رہ جاتے ہیں، کبھی کبھی اولاد کی محبت کو اللہ کی محبت پہ ترجیح دے ڈالتے ہیں یہاں تک کہ نماز، روزہ اور ذکر الٰہی سے بھی غافل رہتے ہیں۔ اللہ نے جن باتوں سے منع فرمایا ہے ان سے خود کو بچا نہیں پاتے، جیسے اولاد کی خوشی کے لیے جھوٹ بولنا، چوری کرنا، ڈاکا ڈالنا یا کسی کا مال چھین لینا وغیرہ اور یوں والدین اپنی اولاد کی خاطر طرح طرح کی برائیوں اور گناہوں میں ملوث نظر آتے ہیں اور ان کی محبت میں الجھ کر خوف الٰہی کو بھول جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ صرف مال ہی نہیں بلکہ اولاد بھی اپنے والدین کے لیے ایک بڑی آزمائش کا سبب ہوتی ہیں۔ اس لیے اولاد کی تربیت اور ان سے محبت کرتے وقت والدین ایسا طریقہ اپنائیں جو اولاد کی صحیح تربیت میں بھی معاون ہو اور اللہ کی طرف متوجہ ہونے میں مددگار ثابت ہو۔

تیسرا: کبھی کبھی اولاد ہی کی وجہ سے عبادتوں میں کوتاہی ہوتی ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کی مکمل پابندی نہیں ہو پاتی کیونکہ ان کے دلوں میں اولاد کی محبت سمائی ہوتی ہے لیکن اللہ کی محبت سے کوسوں دور ہوتے ہیں اور نتیجتاً والدین کو سخت دینی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس نقصان سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَـنُـوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُـمْ عَـنْ ذِكْـرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ. (منافقون:۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے اور جس نے ایسا کیا (یعنی غفلت برتی تو) وہ گھاٹے میں ہے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ. (تغابن:۱۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد تمہارے دشمن ہیں اس لیے تم ان سے بچو۔

مذکورہ آیت کریمہ کی مزید وضاحت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ:

چند لوگ ہجرت کرنے سے اس لیے محروم رہ گئے کہ ان کی بیویاں اور اولاد نے کہا کہ ہم آپ کی جدائی پر صبر نہ کرسکیں گے، جس کی بنا پر کچھ صحابہ کرام ہجرت سے رک گئے پھر کچھ دنوں بعد جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ جو لوگ پہلے آئے

تھے وہ علم وعمل میں ان سے کوسوں آگے نکل چکے ہیں۔

(تحفۃ الاحوذی، جلد:۹،ص:۲۲۲)

یہ ہر والدین کے لیے عبرت اور تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو مال و دولت اور اولاد جیسی عظیم نعمت سے نوازا ہے ان کی محبت میں آکر وہ اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہوں، اگر انھوں نے تھوڑی سی بھی غفلت برتی تو یہی مال اور اولاد قیامت کے دن ان کے دشمن ہوجائیں گے،لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اولاد فی نفسہ دشمن نہیں ہوتی بلکہ محبت میں غلو کر کے انسان خود انھیں اپنا دشمن بنالیتا ہے۔

آخرت میں کوئی کام نہ آئے گا

قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، بلکہ وہی عمل کام آئے گا جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضاو خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

۱۔اَلْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا. (کہف:۴۶)

ترجمہ: مال اور بیٹے دنیاوی زیب وزینت ہیں اور باقی رہنے والی چیزیں نیک اعمال ہیں،اس کے ثواب رب کے یہاں اچھے ہیں اور یہی امید سب سے بہتر ہے۔

۲۔يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ. (شعرا:۸۸)

ترجمہ: قیامت کے دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے مگر جو اللہ کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوا۔

۳۔يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ. (عبس:۳۴)

ترجمہ: قیامت کے دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے،اس دن ان میں سے ہر ایک کو صرف ایک ہی (اپنی بخشش کی) فکر ہوگی۔

مذکورہ آیتوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ والدین کے لیے اولاد کتنی بڑی آزمائش ہیں کہ انھیں اس دنیا میں ایک طرف اولاد کے فرائض نبھانے ہیں تو دوسری طرف اپنے قلب کو طاعت الٰہی اور ذکر الٰہی کے نور سے معمور رکھنا ہے، وہ کسی بھی حال میں رہیں، انھیں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنی ہے تو دوسری جانب اولاد کے ساتھ اس طرح سے پیش آنا ہے کہ ان کی محبت وتربیت میں بھی ذرہ برابر کمی نہ ہونے پائے، گویا والدین کو کچھ اس طرح درمیان کی راہ نکالنا چاہیے کہ نہ اولاد کے حقوق میں کوئی کمی ہو اور نہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طاعت وبندگی میں۔

بلفظ دیگر شریعت اسلامیہ کے حدود میں رہ کر اولاد کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ حقوق اللہ کی پاسداری بھی انتہائی ضروری ہے،ورنہ دین دنیا دونوں میں سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ. (بقرہ:۲۲۹)

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں بیشک ظالم ہیں۔ ☆☆☆

آفتاب عالم مصباحی

علمائے ربانی ہی انبیا کے حقیقی وارث ہیں

اسلام میں علمائے کرام کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے، کیوں کہ یہ لوگوں کو اللہ و رسول کے احکام سے آگاہ کرتے ہیں، شرعی نقطہ نظر سے زندگی کے ہر موڑ پر ان کی کامل رہنمائی کرتے ہیں اور ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑتے ہیں۔

قرآن میں متعدد مقامات پر علما کی عظمت کا بیان واضح طور پر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ .(فاطر:۲۸)

ترجمہ: اللہ کے بندوں میں اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

۲۔يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ. (مجادلہ:۱۱)

ترجمہ: اللہ ان لوگوں کے درجات کو بلند فرمائے گا جو تم میں ایمان لائے اور جنھیں علم سے نوازا گیا۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ. (عنکبوت:۴۳)

ترجمہ: اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں اہل علم کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔

احادیث کریمہ میں بھی علما کی فضیلت بیان کی گئی ہیں کہ:

۱۔مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ.

(مسند احمد، ج:۵،ص:۱۱)

ترجمہ: اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔

۲۔فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنٰى رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِيْ. (ترمذی، کتاب العلم)

ترجمہ: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت سب سے کم درجہ صحابی پر۔

۳۔اَقْرَبُ النَّاسِ مِنْ دَرَجَةِ النُّبُوَّةِ اَهْلُ الْعِلْمِ وَالْجُهَّادِ اَمَّا اَهْلُ الْعِلْمِ فَدَلُّوْا النَّاسَ عَلٰى مَاجَاءَتْ بِهِ الرُّسُلُ وَاَمَّا الْجُهَّادُ فَجَاهَدُوْا بِاَسْيَافِهِمْ عَلٰى مَاجَاءَتْ بِهِ الرُّسُلُ. (المقاصد الحسنہ للسخاوی: ج:۱،ص:۴۵۹)

ترجمہ: نبوت سے زیادہ قریب اہل علم اور مجاہدین ہیں، اہل علم اس لیے کہ انھوں نے لوگوں کو وہ باتیں بتائیں جو انبیا لے کر آئے اور مجاہدین اس لیے کہ انھوں نے انبیا کی لائی ہوئی شریعت کی خاطر اپنی تلواروں سے جہاد کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

مَا الْفَخْرُ اِلَّا لِاَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّهُمْ
عَلَى الْهُدٰى لِمَنِ اسْتَهْدٰى اَدِلَّاءُ

ترجمہ: فخر کا حق صرف علما کو حاصل ہے اس لیے کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور طالبان ہدایت کے رہنما بھی۔

۴۔وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ. (ابوداؤد، ج:۳،ص:۳۱۷)

ترجمہ: اور بیشک علما انبیا کے وارث ہیں۔

۵۔ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرِثُوْا دِيْنَارًا وَدِرْهَمًا وَاَنَّمَا وَرِثُوْا الْعِلْمَ. (مسند احمد، ج:۵،ص:۱۹۶)

ترجمہ: بے شک انبیائے کرام درہم و دینار کے وارث نہیں بناتے بلکہ وہ تو علم کا وارث بناتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جو علما انبیا کے وارثین ہیں ان کی علامت اور پہچان کیا ہوگی؟

اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ ہر عالم کہلانے والا شخص وارث انبیا نہیں بلکہ وہی علما وارثین انبیا ہیں جو شریعت، طریقت اور معرفت کے جامع ہیں بلفظ دیگر وارثین انبیا ایسے علما ہیں جو ظاہری اور باطنی دونوں علوم کا سنگم ہیں، جن کے دلوں میں مال و دولت اور دنیوی اقتدار کی چاہت نہیں ہوتی، وہ ساری دنیا سے بے نیاز ہوکر صرف اللہ کی طرف کامل طور پر متوجہ رہتے ہیں، ان کا دل ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے، ان کی زبان پر یاد الٰہی کا ورد ہمہ دم جاری رہتا ہے اور نگاہوں میں ہمیشہ تجلیات الٰہیہ رچی بسی رہتی ہیں، وہ اسوۂ حسنہ کا مکمل نمونہ ہوتے ہیں اور احکام شریعت کے حد درجہ پابند و عامل۔

مزید ان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والا شخص شک سے یقین کی طرف، تکبر سے تواضع کی طرف، نفرت سے محبت کی طرف، ریا سے اخلاص کی طرف اور خواہش دنیا سے فکر آخرت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جن کے افعال و کردار اور اقوال و گفتار بندے کے دل میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کرتے ہیں، یہی وہ حضرات ہیں جن کی صحبت میں بیٹھنے والا شخص بد بخت نہیں ہوتا۔

لیکن کچھ مداہنت پسند علما ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے دین میں اپنی خواہش سے تبدیلی کی راہ اختیار کرتے ہیں، اپنے علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بناتے ہیں، دنیوی جاہ و حشمت کے حریص ہوتے ہیں، نفسانی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں، احکام شریعت کی بجا آوری میں سستی و کاہلی سے کام لیتے ہیں اور ذکر الٰہی میں غفلت برتتے ہیں، ان کے گفتار و کردار میں حد درجہ تضاد ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کی صحبت میں بیٹھنے والے بھی بے عمل اور دین سے دور ہوجاتے ہیں۔ ایسے علما، دنیا کی نظر میں بڑے سے بڑے عالم کیوں نہ ہوجائیں، صحیح معنوں میں وارثین انبیا میں شمار نہیں۔

مقدمہ ابن خلدون، ج:۲،ص:۳۵ پر ہے:

''بلاشبہ علما انبیا کے وارث ہیں۔ لیکن ہمارے زمانے کے نہیں۔ کیونکہ آج کل کے اکثر علما اعمال و قضا کے شرعی مسائل یاد کر لیتے ہیں کہ فلاں عبادت کے فلاں فلاں احکام ہیں۔ انھیں اس طرح انجام دیا جائے اور فلاں معاملہ کی صحت کی یہ صورت ہے۔ علما یہ تمام باتیں امرا و رؤسا کو بتا دیتے ہیں اور ان عوام کو بھی جو عمل کرنے کے خواہش مند ہوں اور خود عمل سے کوسوں دور ہوتے ہیں، الا ماشاء اللہ۔

آج کل بڑے بڑے علما کا بھی یہی حال ہے، اگر کوئی عمل بھی کرتا ہے تو صرف بعض احکام یا بعض حالات سے مجبور ہوکر، یہ وارث انبیا نہیں ہیں یہ علمائے دنیا اور علمائے سو ہیں۔''

اور ایسے علما سخت سزا کے مستحق ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔اَشُدُّالنَّاسِ عَذَاباً یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَایَنْفَعُهُ عِلْمُهُ . (المعجم الصغیرللطبرانی،ج:۱،ص:۳۰۵)

ترجمہ: قیامت کے دن وہ عالم سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوگا جس نے اپنے علم سے کوئی دینی نفع حاصل نہ کیا۔

۲۔یُؤْتَی بِالرَّجُلِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، فَیُلْقٰی فِی النَّارِ، فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُ بَطْنِهٖ، فَیَدُورُ بِهَا کَمَا یَدُوْرُ الْحِمَارُ بِالرَّحٰی، فَیَجْتَمِعُ إِلَیْهِ أَهْلُ النَّارِ، فَیَقُولُونَ:یَا فُلَانُ مَا لَکَ؟ أَلَمْ تَکُنْ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَتَنْهٰی عَنِ الْمُنْکَرِ؟ فَیَقُولُ:بَلٰی،قَدْ کُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِیهِ، وَأَنْهٰی عَنِ الْمُنْکَرِ وَآتِیهِ . (صحیح مسلم،ج:۴،ص:۲۲۹۰)

ترجمہ: قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا،اس کی آنتیں نکل پڑیں گی،وہ ان کو لیے اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے ساتھ گھومتا ہے،دوزخی اس کے ساتھ گھومیں گے اور کہیں گے:

تو تو وہی ہے جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتا تھا اور برائی سے منع کرتا تھا پھر تمھیں عذاب کیوں دیا گیا ہے؟

وہ کہے گا کہ میں دوسروں کو بھلائی کا حکم دیتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا،دوسروں کو برائی سے روکتا تھا اور خود اسی برائی میں مبتلا رہتا تھا۔

اس حدیث سے دو باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں:

۱۔بے عمل عالم انبیا کے وارث نہیں۔

۲۔دوسروں کو بھلائی کی دعوت دینا اور خود بھلائی سے محروم رہنا،یوں ہی دوسروں کو برائی سے روکنا اور خود برائی میں مبتلا رہنا عذاب الٰہی کا سبب ہے۔

رہے وہ علما جو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور خود بھی ان پر عمل کرتے ہیں تو صحیح معنوں یہی لوگ علمائے ربانی ہیں،انھیں انبیا کے وارث ہونے کا حق حاصل ہے۔ان کی مجلس میں بیٹھنے والا بڑی برکتوں اور نعمتوں سے سرفراز ہوتا ہے۔

ان میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ انسان علم حاصل کرنے کے ساتھ جب تک مجلس میں بیٹھتا ہے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے،جب تک ان کی گفتگو سنتا ہے اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے تو وہ بھی اس میں سے حصہ پاتا ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم علمائے ربانی جو حقیقت میں وارثین انبیا ہیں انھیں تلاش کریں،ان کی صحبت اختیار کریں اور ان کے حیات بخش کلمات سے اپنے مردہ قلوب کو زندہ کریں۔

☆☆☆

السعی منی والشفاء من اللّٰہ

یونانی دواؤں کے ذریعے پیچیدہ وکہنہ امراض کا تشفی بخش علاج کے لیے رابطہ کریں:

حکیم سرفراز حسین

امام سنی جامع مسجد،چمڑا بازار،مین روڈ،دھاراوی ممبئی-17

موبائل:09819291874

43 | ماهنامه خضر راه

غلام مصطفی ازہری

بیعت: قرآن وحدیث کی روشنی میں

بیعت ایسا عقد ہے جس کی وجہ سے رعایا پر امیر کی اور مرید پر مرشد کی اتباع واجب ہوجاتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں: بیعت، مرشد وامیر سے یہ معاہدہ کرنا ہے کہ وہ خوشی وناگواری، فراخی وتنگی ہر حال میں اپنے مرشد ورہنما کے ہر حکم کی پیروی کرے گا، اسے اپنا حاکم مطلق اوراپنی ذات میں تصرف کرنے والا مجانے گا، معصیت کو چھوڑ کراس کے کسی بھی حکم پر کیوں؟ اور کس لیے؟ نہیں کہے گا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مرشد وامیر پر لازم ہے کہ خلاف شریعت کسی بھی کام کا حکم نہ دے بلکہ کسی ایسی چیز کا بھی حکم نہ دے جسے بظاہر مرید انجام نہیں دے سکتا، بلکہ اس پر شفقت کرے اوراسے اس کام کو کرنے کی ترغیب دلائے۔

مشائخ کا ہمیشہ سے یہی عمل رہا ہے کہ وہ مرید کو کسی بھی کام کا حکم اس وقت تک نہیں دیتے جب تک کہ مرید کا دل اس کام کے کرنے پر آمادہ نہ ہوجائے۔ اسی طرح مرید پر لازم ہے کہ کسی تاویل اور حیلہ کے بغیر شیخ کے حکم کو قبول کرے۔

قرآن کریم سے ثبوت

سب سے پہلے بیعت کے ثبوت میں قران کی ان آیات کو پیش کیا جاتا ہے جن میں صراحت سے بیعت کا ذکر ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلٰى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا. (فتح:۱۰)

ترجمہ: جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے تو جو شخص عہد شکنی کرے گا اس کا وبال اسی کے سر ہے اور جو شخص اللہ سے کیے ہوئے اس عہد کو پورا کرے گا تو اسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا۔

یہ آیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت پر صریح نص ہے، اللہ سے بیعت تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہے، یہ اللہ تعالی کے اس قول کی طرح ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (نسا:۸۰) (جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی)

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ. (توبہ:۱۱۱)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اوران کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور

انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے؟ اس بیعت پر جو تم نے کی ہے خوشی مناؤ۔

یہ آیت بھی اللہ سے بیعت پر صریح نص ہے اور اللہ سے بیعت تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہی سے ہوگی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے: إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰه . (آل عمران:۳۱) (اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمھیں محبوب بنالے گا)

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا. (فتح:۱۸)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوگیا جس وقت وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں میں جو تھا اللہ اسے جانتا ہے، اللہ نے ان پر اطمینان نازل کیا اور انھیں مقام قرب عنایت فرمایا۔ (یا جلد ہی فتح کے آثار نمایاں فرمایا)

بیعت میں اصل اطاعت ہے اور اطاعت پر متعدد آیات ہیں، طوالت کی وجہ سے صرف ایک آیت کا ذکر کیا جارہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ . (نسا:۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور جو امیر ہوں ان کی بھی پیروی کرو۔

''اولوالامر'' سے مراد جہاں ہمارے دنیاوی معاملات کے محافظ سلاطین ہیں وہیں دین کی حفاظت کرنے والے، نفس کو پاکیزہ کرنے والے علمائے ربانی بھی ہیں، بلکہ اصل میں ''اولوالامر'' سے مراد یہی لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ. (لقمان:۱۵)

ترجمہ: اس کی راہ چلو جو میری جانب مائل ہوا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ دینی معاملات میں اللہ تعالیٰ سے غافل اور فسق وفجور میں مبتلا سلاطین وعلما کی اتباع وتقلید سے منع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا. (کہف:۲۸)

ترجمہ: اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو نفس کی پیروی میں لگا ہے کیونکہ اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا۔

بیعت کا ثبوت حدیث سے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱. مَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ فَلْيُطِعْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ. (ابوداؤد، ذکر الفتن)

ترجمہ: جو کسی امام کی بیعت کرے تو وہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے اور اپنی مرضی کو اس کے حوالے کر دے اور اپنی قدرت بھر اس کی اطاعت کرے۔

۲۔ تین لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی جانب نگاہ کرے گا، ان کے لیے عذاب ہے، ان میں سے ایک یہ ہے:

رَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا فَإِنْ أَعْطَاهُ وَفَى لَهُ وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ لَمْ يُوفِ لَهُ. (ترمذی، نکث البیعۃ)

وہ شخص جس نے امام کی بیعت کی اگر اس نے مکمل اطاعت کی تو اس نے اس کے ساتھ وفا کیا اور اگر اس نے امام کی اطاعت نہیں کی تو اس کے ساتھ وفا نہیں کیا۔

۳. وَمَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً. (صحیح مسلم، امارۃ)

ترجمہ: اور وہ شخص جو اس حال میں وفات پائے کہ اس نے کسی کی بیعت نہیں کی تو جاہلیت کی موت مرا۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ جس نے کسی کو اپنی مملکت دنیاوی کا خلیفہ تسلیم نہیں کیا، اسی طرح جس نے کسی کو اپنا دینی امیر یا شیخ تسلیم نہیں کیا جو اسے حق کی تعلیم دیتا اور نفس وشیطان کی پیروی سے بچاتا وہ اب بھی راہ حق سے دور ہے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح خواہشوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسی لحاظ سے ایسے شخص کی موت کو جاہلیت کی موت کہا گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام نے انفرادی اور اجتماعی طور پر بیعت کی جس کا ذکر پچھلے مضمون میں آچکا ہے، یہاں صحابۂ کرام کا آپس میں ایک دوسرے سے بیعت کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

صحابہ کی ایک دوسرے سے بیعت

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب یرموک کا معرکہ پیش آیا تو عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یرموک کے دن کہا:

قَاتَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوَاطِنَ وَأَفِرُّ مِنْكُمُ الْيَوْمَ؟ ثُمَّ نَادَى: مَنْ يُبَايِعُ عَلَى الْمَوْتِ؟ فَبَايَعَهُ عَمُّهُ الْحَارِثُ بْنُ هِشَامٍ، وَضِرَارُ بْنُ الْأَزْوَرِ، وَمَعَهُمَا أَرْبَعُ مِائَةٍ مِنْ فُرْسَانِ الْمُسْلِمِينَ، وَقَاتَلُوا قِتَالًا مَرِيرًا حَتَّى قُتِلَ كَثِيرٌ مِنْهُمْ.

(البدایۃ والنہایۃ، ج:۷ص:۱۱-۱۲)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت سے مقامات پر جہاد کیا ہے، تو کیا آج میں تم لوگوں کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا؟ پھر انھوں نے پکارا: کون ہے جو شہید ہونے کے لیے بیعت (عہد) کرے، چنانچہ ان کے چچا عمر بن حارث اور ضرار بن ازور نے چار سو مسلم لشکریوں کے ساتھ بیعت کیا اور بڑی بہادری سے جنگ کرتے ہوئے بہت سے لوگ شہید ہوگئے۔

اگر کوئی شخص اس واقعے پر غور کرے تو پائے گا کہ یہ بیعت کے ثبوت پر روشن دلیل ہے جو حضرت عکرمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر کچھ کلام نہ فرمایا، چنانچہ اسی سنت کو عارفین باللہ نے اپنایا اور فروغ دیا جو اللہ کے فضل وکرم سے آج بھی عوام وخواص میں رائج اور قلوب کی پاکیزگی اور صفائی کا باعث ہے۔

بیعت کی کیفیت اور طریقہ

۱۔ مصافحہ اور کلام کے ذریعہ: یہ بیعت کا عام طریقہ ہے جس کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا ہے، اسی طریقے پر مشہور بیعت رضواں عمل میں آیا جس کے متعلق اللہ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ. (فتح:۱۰)

ترجمہ: جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

۲۔صرف کلام کے ذریعہ: یہ عام طور سے عورتوں کو بیعت کرنے میں اختیار کیا جاتا ہے اور اس شخص کو بیعت کرنے کے لیے جس سے مصافحہ کرنا ممکن نہ ہو جیسے مجذوم جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ. (صحیح مسلم)

اور اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول ہے، وہ فرماتی ہیں:

لاَ وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ، غَيْرَ أَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلاَمِ. (بخاری)

ترجمہ: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک کبھی کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا، کیونکہ آپ عورتوں کو کلام کے ذریعے بیعت فرماتے تھے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہیں:

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کی بیعت بغیر ہتھیلی پکڑے، صرف کلام کے ذریعے ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی بیعت ہاتھ پکڑ کر اور کلام دونوں کے ذریعے ہے۔

عورتوں سے بیعت کی کیفیت کے سلسلے میں مزید دو روایتیں ملتی ہیں:

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک پیالہ پانی منگاتے اور اس میں اپنا دست اقدس ڈال کر نکال لیتے، پھر عورتیں ایک ایک کر کے اس برتن میں اپنا ہاتھ ڈالتیں اور بیعت ہوتیں۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک ہاتھ پر کوئی کپڑا لپیٹ لیتے اور عورتیں اوپر سے مس کرتی جاتیں اور بیعت حاصل کرتیں۔

(المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، ج:۵،ص:۳۰۰)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس عمل کو اختیار کیا اور یہی طریقہ عارفین باللہ کے یہاں بھی رائج ہے۔

۳۔خط و کتابت کے ذریعہ: اس بیعت کی بہترین مثال یہ ہے کہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یا رسول اللہ! آپ پر سلامتی ہو، رحمت اور برکتیں ہوں اللہ کی جانب سے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت بخشی۔

اس کے بعد عرض ہے کہ یا رسول اللہ! آپ کا خط ملا جس میں آپ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ بیشک میں نے آپ سے بیعت کی اور آپ کے چچازاد بھائی اور آپ کے اصحاب سے بیعت کی اور ان کے ہاتھ پر اللہ رب العزت کے لیے اسلام قبول کیا۔

(سیرت ابن حبان، ج:۱،ص:۲۹۲)

ان تمام باتوں سے یہ تو بالکل ہی واضح ہو گیا کہ بیعت نہ تو کوئی غیر اسلامی عمل ہے اور نہ ہی کوئی جدید عمل بلکہ یہ عہد رسالت، عہد صحابہ اور تابعین و تبع تابعین سے لے کر آج تک سلسلہ در سلسلہ قائم ہے۔

☆☆☆

رمضان کے خصوصی شمارہ کی کامیابی کے بعد ایک اور اہم پیش کش

ماہنامہ ''خضر راہ'' الہ آباد کا

اگلا شمارہ

ان شاء اللہ

پیغام سیرت

(مکی زندگی کے حوالے سے)

ہوگا

ایجنسیوں سے گزارش ہے کہ اپنی کاپی جلد سے جلد بک کرالیں۔

تاجر حضرات توجہ دیں:

خصوصی شمارے میں اشتہار دیکر ملک و بیرون ملک اپنی تجارت اور کاروبار کو بڑھائیں۔

اشتہار منیجر: دفتر ماہنامہ ''خضر راہ'' جامعہ عارفیہ، سید سراواں، ضلع کوشامبی الہ آباد۔ پن کوڈ:212213
E-mail: khizrerah@gmail.com
Mobile: 9312922953,7860604036

خواتین قرآن کریم میں

اللہ تعالیٰ نے خاتون کی شکل میں ایک تسکین بخش ساتھی بنا کر نہ صرف مردوں کے لیے جینے کی راہ ہموار کردی ہے بلکہ ان کے درمیان محبت ورحم دلی کا جذبہ رکھ کر اس دنیا کو گلزار بنادیا ہے،عورت کی اس حیثیت کو واضح کرنے کے لیے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ارشادفرمایا گیا ہے:

۱۔وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً. (روم:۲۱)

ترجمہ:اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تمھیں میں سے پیدا کیا ہے تاکہ تمھیں اس سے تسکین حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت ورحمت کا جذبہ بھی رکھا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں تین اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

الف:عورت عالم انسانیت ہی کا ایک حصہ ہے اور اُسے مرد کا ساتھی بنا گیا ہے،اس کی حیثیت مرد سے کمتر نہیں ہے۔

ب: عورت کا مقصد محض مرد کی خدمت نہیں ہے بلکہ مرد کی زندگی کے لیے تسکین ہے۔

ج:مرد اور عورت میں ہر ایک کی طرف سے رحمت اور محبت کا عملی اظہار ضروری ہے،یکطرفہ محبت کافی نہیں ہے۔

۲۔وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ. (بقرہ:۲۲۸)

ترجمہ:عورتوں کے لیے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان کے ذمے فرائض ہیں اور مردوں کو اُن کے اوپر ایک درجہ حاصل ہے۔

مرد کو ایک درجہ زیادہ تو حاصل ہے لیکن یاد رہے کہ یہ درجہ مطلق حاکمیت کا نہیں ہے بلکہ ذمے داری کا ہے کہ مردوں کی خلقت میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ عورتوں کی ذمے داری سنبھال سکیں۔

۳۔فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى . (آل عمران:۱۹۵)

ترجمہ:اللہ نے اُن کی دعا کو قبول کرلیا کہ ہم کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتے،چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

یہاں پر عورت اور مرد دونوں کے عمل کو برابر قرار دیا گیا ہے کہ دونوں کے اعمال بارگاہ الٰہی میں یکساں مقبول ہیں۔ایسا نہیں کہ مردوں کے اعمال قبول ہوتے ہیں،عورتوں کے نہیں، یا عورتوں کے اعمال قبول ہوتے ہیں،مردوں کے نہیں۔

۴۔وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ. (نسا:۳۲)

ترجمہ:اور اللہ نے جو بعض کو بعض سے زیادہ دیا ہے اس سے زیادہ کی تمنا نہ کرو۔مردوں کے لیے اتنا ہی حصہ ہے جتنا انھوں نے

کمایا اور عورتوں کے لیے بھی وہی حصہ ہے جو انھوں نے کمایا۔

یہاں بھی عورت کو مرد سے برابری کی حیثیت دی گئی ہے اور ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں دی گئی ہے۔

۵۔وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا. (اسرا:۲۶)

ترجمہ: اور یہ کہو کہ یا اللہ! ان دونوں (ماں باپ) پر اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح انھوں نے مجھے پالا ہے۔

اس آیت کریمہ میں ماں باپ کو درجہ میں مساوی بتایا گیا ہے اور دونوں کے ساتھ خیر واحسان کا حکم ہے اور دونوں کے حق میں دعائے خیر کی تاکید بھی کی گئی ہے۔

۶۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا. (نسا:۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کا ورثہ لے لو اور تم انھیں اس لیے روک نہ رکھو کہ جو تم نے ان کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ خود لے لو، جب تک کہ وہ کوئی کھلم کھلا گناہ نہ کرلیں اور ان کے ساتھ مناسب برتاؤ کرو، اگر وہ تمھیں ناپسند ہیں تو یہ بھی ممکن ہے کہ تمھیں کوئی چیز ناپسند ہو اور اللہ نے اسی میں زیادہ سے زیادہ بھلائی رکھی ہو۔

یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ انسان جس چیز کو ناپسند کرے اس میں اللہ نے برکت رکھی ہو اور جس چیز کو پسند کرے اس میں نقصان ،اس لیے اپنی پسند وناپسند کے بجائے یہ دیکھنا اہم ہے کہ ہمارے کس عمل سے اللہ راضی ہے اور کس سے غضبناک۔

اس میں عورتوں کے وراثتی حقوق پر غاصبانہ قبضے کی ممانعت کی گئی ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے دور ہونا اسی صورت میں جائز ہے کہ جب کوئی شرعی نقص پایا جائے۔

۷۔وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ. (بقرہ:۲۳۱)

ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کے ایام ختم کرلیں تو انھیں نیکی کے ساتھ روک لو (اچھی طرح ان کا گھر بسالو) یا بھلائی کے ساتھ الگ کردو اور نقصان پہنچانے کی غرض سے انھیں نہ روکو کہ تم ان پر ظلم وزیادتی کرو اور جو ایسا کرے گویا اس نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا۔

مذکورہ آیت سے واضح ہوتا ہے کہ خواتین پر ظلم درحقیقت ان پر ظلم نہیں ہے بلکہ اپنے ہی نفس پر ظلم ہے، کیونکہ اس ظالمانہ عمل سے خواتین کی صرف دنیا خراب ہوتی ہے جب کہ اس پر ظلم کرنے والے کی نہ صرف دنیا خراب ہوتی ہے بلکہ آخرت بھی برباد ہوتی ہے جو دنیا سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے۔

۸۔الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ. (نسا:۳۴)

ترجمہ: مرد، عورتوں کے سرپرست ہیں اس فضیلت کے سبب جو اللہ نے انھیں بعض کے مقابلے میں دی ہے اور اس

مال کے سبب جن کو مردوں نے ان کے اوپر خرچ کیا ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا مقصد خواتین پر مرد کو حاکم بنانا نہیں ہے اور نہ ہی خاتون سے اس کی آزادی چھین لینا مقصود ہے بلکہ مرد کو بعض خصوصیات کی بنا پر گھر کا محافظ اور ذمے دار بنانا ہے جس کا اصل مقصد خواتین کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہے اور یہ مخصوص حاکمیت یا ذمے داری بھی مفت نہیں ہے بلکہ اس کے بدلے میں خواتین کے تمام اخراجات اور مصارف بھی مردوں کے اوپر تاحیات لازم وضروری ہے۔

۹۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ. (بقرہ:۱۸۷)

ترجمہ: خواتین تمہارے لباس ہیں اور تم خواتین کے۔

خواتین و مرد کا آپس میں ایک دوسرے کے لیے لباس ہونا جہاں دونوں کی برابری کا ثبوت ہے وہیں اس نکتے کی وضاحت بھی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہیں۔

۱۰۔ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ. (بقرہ:۲۲۳)

ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں، اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے نیک اعمال آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔

اس آیت کو سمجھنے میں کچھ لوگ غلط فہمی کے شکار ہیں کہ مرد کو خواتین کے معاملات میں مکمل اختیار دے دیا گیا ہے کہ مرد اُن کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں، درست ہے۔

لیکن اس آیت کا یہ جملہ: وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ. (اپنے لیے نیک اعمال آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرو) بھی یاد رکھنا چاہیے۔ جو خواتین کے معاملات میں مردوں کی من مانی پر بندش لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ خواتین کے ساتھ وہی سلوک روا ہے جس کا حکم اللہ نے دے رکھا ہے، ورنہ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوگا، سورۂ اسرا، آیت:۳۲ میں ہے:

۱۱۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا.

ترجمہ: اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ کہ یہ کھلی ہوئی بے حیائی ہے اور انتہائی بری راہ ہے۔

۱۲۔ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. (نور:۱۹)

ترجمہ: جو لوگ ایمان والوں میں بے حیائی اور فحش بات پھیلانا پسند کرتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

زنا ملک، معاشرہ، اخلاق اور دین کو متأثر کرنے کے علاوہ سب سے زیادہ جس طبقہ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ خواتین کا طبقہ ہے، اسی لیے دین اسلام میں نہ صرف زنا جیسے جرم پر سخت روک ہے بلکہ خواتین کی عزت نفس کی حفاظت اور باوقار زندگی جینے کا سلیقہ بھی سکھایا ہے۔

☆☆☆

تین نعمتیں

۱۔ ذاکر زبان ۲۔ شاکر دل ۳۔ پارسا بیوی

داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی ادام اللہ ظلہ علینا

کی قلبی واردات، گنجینہ معانی، بحر حقائق و معارف، مثنوی

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار

کا تیسرا ایڈیشن اپنے نئے رنگ و آہنگ اور ضروری توضیحی حواشی کے ساتھ منظر عام پر آ چکا ہے۔

رابطہ کریں:

شاہ صفی اکیڈمی

خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)212213 (یوپی)

Mobile: 07860604036

امام الفقہاء والمحدثین حضرت نعمان بن ثابت کوفی معروف بہ امام اعظم ابوحنیفہ

کی حیات وخدمات، اساتذہ وتلامذہ اور فقہ حنفی کے تعارف وتشہیر کی طرف ایک منفرد تاریخی قدم

سہ روزہ امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار و کانفرنس ممبئی

تاریخ ۲۱، ۲۲، ۲۳ دسمبر ۲۰۱۲ء بروز جمعہ، سنیچر، اتوار سیمینار: ۹ بجے صبح تا نمازِ عصر۔ کانفرنس: بعد نمازِ مغرب تا ۱۰ بجے شب

مقام: نیو ایم ایسٹ وارڈ گراؤنڈ A-2 دیونار پولیس اسٹیشن روڈ، گوونڈی، ممبئی۔۴۳

زیر سرپرستی: گل گل زارِ قادریت و برکاتیت حضرت امین ملت پروفیسر **سید محمد امین میاں** قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف

صدارت: صدر العلماء حضرت مولانا **محمد احمد مصباحی** صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، **قیادت:** رئیس التحریر حضرت مولانا **یٰس اختر** مصباحی بانی وصدر دار القلم دہلی، **حمایت:** محقق مسائل جدیدہ حضرت مولانا مفتی **محمد نظام الدین رضوی** مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارکپور

خصوصی خطیب: مفکر اسلام حضرت مولانا **قمر الزماں اعظمی مصباحی** جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن

تقریب رونمائی: (۱) امام اعظم ابوحنیفہ اور فقہ حنفی (مجموعہ مقالات) (۲) مذاہب اربعہ میں فقہ حنفی کی جامعیت (۳) فقہ حنفی کتاب وسنت کی روشنی میں (۴) الخیرات الحسان (۵) تحقیق التراویح (۶) امام اعظم اور علم حدیث (۷) امام اعظم امام المحدثین (۸) رفع یدین (۹) حالات فقہا و محدثین (۱۰) امام اعظم اعلیٰ حضرت کی نظر میں (۱۱) الاحادیث السبعة عن السبعة من الصحابة الذین روا عنهم الامام ابو حنیفة (۱۲) Imam-e-Aazam & Knowledge of Hadees **بدست اقدس حضرت امین ملت مدظلہ النورانی**

زیر انتظام: تحریک جماعت اہل سنت کشی نگر (یو۔ پی) **زیر اہتمام:** حافظ محمد سبطین رضا قادری ایوبی

022-25503088,09323123088,09321789816,09870068205,09322837045,09870021258

ای میل: z.barkati@gmail.com(09311442556),msraza@aitps.org

انمول اصلاح

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ دنیا اور اس دنیا میں جو کچھ ہے سب کا پیدا کرنے والا تنہا اللہ ہے جو حاکموں کا حاکم اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے، اس کی برابری کا نہ کوئی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اللہ نے ایک طرف ہمیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا تو دوسری جانب ہماری ہدایت ورہنمائی کے لیے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا، آپ نے ساری دنیا کو اسلام، ایمان اور احسان کی تعلیم دینے کے ساتھ اس قدر بہترین اخلاق پیش کیا کہ اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کو ’صادق وامین‘ کے نام سے پکارنے لگے۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کل چھ اولادیں ہوئیں جن میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی سب سے چھوٹی مگر بڑی چہیتی بیٹی تھیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہوئی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما انھیں کے بیٹے ہیں۔ اس رشتے سے حسن وحسین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے لگتے ہیں لیکن آپ حسن وحسین کو بیٹے کی طرح چاہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معلم اخلاق تھے، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت کا خاص خیال فرماتے تھے اور چونکہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کی تربیت میں رہے، اس لیے دونوں صاحبزادوں پر اخلاق نبوی کا خاص اثر ہوا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نماز کے لیے وضو فرما رہے تھے، اتنے میں ایک شخص آیا اور پاس ہی وضو کرنے لگا۔ جب دونوں صاحبزادوں کی نظر اس شخص پر گئی تو دیکھا کہ اس کے وضو کرنے کا طریقہ درست نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر حسن وحسین سوچنے لگے کہ اس شخص کی اصلاح کیسے کی جائے، اگر براہ راست ان سے کہتے ہیں کہ وضو درست نہیں تو انھیں شرمندگی ہوگی اور اگر یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں تو یہ بھی اچھی بات نہیں۔ کچھ پل کے لیے رکے، پھر ان کے پاس گئے اور یہ کہہ کر وضو کرنے لگے کہ چچا جان! ہم دونوں بھائی وضو کرتے ہیں آپ دیکھیے کہ ہم میں سے کون صحیح وضو کرتا ہے اور کون نہیں۔

حسن وحسین رضی اللہ عنہما وضو کرنے لگے، جب اس شخص نے دونوں صاحبزادوں کو وضو کرتے دیکھا تو بیساختہ کہہ اٹھا کہ نہیں پیارے! آپ دونوں کے وضو کرنے کا طریقہ صحیح اور درست ہے میں ہی غلط طریقے سے وضو کر رہا تھا۔

بچو! اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہر کسی کی اصلاح کرنی چاہیے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔ لیکن جب بھی ہم کسی کی اصلاح کریں تو یہ ضرور خیال رکھیں کہ جس کی ہم اصلاح کر رہے ہیں اس کو برا نہ لگے اور نہ اسے کسی قسم کی شرمندگی کا احساس ہو جیسا کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما نے کیا کہ اس شخص کی اصلاح بھی کر دی اور اسے برا بھی نہ لگا۔

☆☆☆

سید سلمان

اللہ سبحانہ وتعالیٰ

اللہ رب العزت کی ذات وہ واحد ذات ہے جو ازلی ہے ابدی ہے یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے جب یہ دنیا اور دنیا کی آسائش ختم ہو جائے گی تب بھی اس کی ذات موجود رہے گی۔ وہ واجب الوجود ہے یعنی جس کا ہونا ضروری ہے اور نہ ہونا محال۔

وہ موجود بالذات ہے اور وہ اس وقت سے موجود ہے جب کہ کچھ بھی نہ تھا اور اس وقت بھی موجود رہے گی جب یہ تمام عالم فنا ہو جائے گا کیوں کہ اسی کا وجود حقیقی ہے بقیہ سارے وجود مجازی۔

وجود باری کا ثبوت قرآن سے

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

۱۔وَهُوَ الَّذِی مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا. (رعد:۳)

ترجمہ: اور وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے زمین پھیلائی اور اس میں پہاڑ نصب کیے اور ندیاں جاری کیں۔

۲۔الَّذِی جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ. (زخرف:۱۰)

ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنا دیا پھر اس میں تمہارے لیے ایک راہ نکالی تا کہ تم ہدایت پا سکو۔

۳۔وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ. (اعراف:۱۰)

ترجمہ: اور ہم نے تم کو زمین پر تصرف کرنے کی قدرت دی اور اس میں تمہارے لیے رزق کا سامان فراہم کیا، کم ہی لوگ ہیں جو شکر ادا کرتے ہیں۔

۴۔اللّٰهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ. (روم:۴۸)

ترجمہ: اللہ ہوائیں بھیجتا ہے جو بادل بنا دیتی ہے پھر وہ بادلوں کو فضا میں پھیلا دیتی ہے۔

۵۔اللّٰهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ. (جاثیہ:۱۲)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا تا کہ اس کی قدرت سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو، شاید کہ تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔

وجود باری کا ثبوت آثار صحابہ و اولیا سے

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا میں شطرنج کے کھیل سے بڑا متعجب ہوتا ہوں کہ یہ کھیل

ایک چوکور تختی کے چاروں خانوں میں کھیلا جاتا ہے، اگر ان خانوں میں دولاکھ مرتبہ شطرنج کھیلی جائے تو بھی ہر بازی مختلف ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سے کہیں زیادہ اس بڑے امر پر متعجب ہوں کہ انسان کا بالشت بھر چہرہ آپس میں میل نہیں کھاتا۔ اللہ تعالیٰ نے انگنت چہرے پیدا کیے لیکن ہر چہرہ ایک دوسرے سے مختلف اور الگ تھلگ ہے۔ کوئی چہرہ ایسا نہیں جو کسی کے چہرے سے مل جائے۔

اور یہ ظاہری بات ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی ہستی ہے اور وہی ہستی اللہ کی ذات ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک شہتوت کے درخت کے نیچے کھڑے تھے کہ کسی نے وجود باری پر دلیل طلب کیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس شہتوت کے درخت کو دیکھو، اس کی پتی کو اگر بکریاں کھالیں تو دودھ حاصل ہو، شہد کی مکھی کھالے تو شہد بن جائے، کیڑے اس کو چاٹ لیں تو ریشم حاصل ہو اور ہرن اس کو کھالے تو وہ مشک بن جاتا ہے۔

اس میں غور کرنے والی بات یہ ہے کہ شہتوت کی طبیعت کا تقاضہ اگر چہ ایک ہے لیکن اسے بکری کھائے تو دودھ بنے اور مدھو مکھی رس چوس لے شہد، اگر کیڑا چاٹ لے تو ریشم بنے اور ہرن کھالے تو مشک وخوشبو۔

معلوم ہوا کہ طبیعت کا تقاضہ ایک ہونے کے باوجود اس سے مختلف چیزوں کو وجود بخشنے والا کوئی ہے اور وہی اللہ ہے۔

اسی کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحۡسَنُ الۡخَالِقِينَ. (مومنون:۱۴)

ترجمہ: اللہ برکت دینے والا بہترین خالق ہے۔

وجود باری کا ثبوت عقل سے

اللہ تعالیٰ کے وجود پر غور وفکر کریں تو انسان کے آس پاس کی بہت ساری چیزیں اللہ کے وجود کی شہادت دیتی ملیں گی، مثلاً آسمان کا ستون کے بغیر کھڑا ہونا، وسیع وعریض زمین پر اونچے اونچے پہاڑ اور تناور درختوں کا وجود، سورج اور چاند کا وقت مقررہ پر بلا ناغہ نکلنا ڈوبنا وغیرہ۔

اس کے علاوہ انسان خود اپنے وجود پر غور کرے تو یہ بات بخوبی واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔ کیونکہ یہ بات تو حق ہے کہ انسان مرد وزن کی وجہ سے وجود میں آتا ہے مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرد وزن کی لاکھ کوششوں کے باوجود انسان کا وجود متحقق نہیں ہو پاتا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسی ہستی ہے جو مرد وزن کو انسان کے وجود کا سبب بناتا ہے اور وہی مسبب الاسباب اللہ کی ذات ہے۔

گویا ظاہری اعتبار سے مرد وزن وجود بخشنے والا معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وجود بخشنے والا اللہ ہے۔

غرض کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں سب کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے جس نے لفظ ''کن'' سے پوری کائنات کو پیدا کیا۔

☆☆☆

محمد انجم راہی

روح کی غذا

تعلیم ہر قوم اور قبیلے کے لیے انتہائی ضروری ہے، اگر تعلیم نہ ہو تو اچھی بری چیزوں کے درمیان فرق مشکل ہو جائے۔ یہ تعلیم ہی ہے جو انسان کو انسانیت کے دائرے سے باہر نہیں نکلنے دیتی ہے، بلکہ آج انسانی معاشرہ جو حیوانیت سے نکل کر انسانیت کی منزل تک پہنچا ہے، یہ تعلیم ہی کی دین ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اگر علما اور اساتذہ نہ ہوتے تو لوگ جانوروں کی طرح ادھر ادھر منھ مارر ہے ہوتے، تعلیم کے سایے ہی میں پرورش پا کر لوگ انسانیت کی منزلوں تک پہنچ سکے ہیں۔

افلاطون کا قول ہے کہ جس طرح ایک جسم کے لیے غذا ضروری ہے اسی طرح روح کی نشو ونما کے لیے تعلیم لازمی ہے۔ جس طرح جسم کو پوری زندگی غذا کی ضرورت ہے اسی طرح روح کو بھی پوری زندگی غذا (تعلیم) کی ضرورت ہے۔

خود رب کائنات تعلیم کا حکم دے رہا ہے:

۱۔ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. (نحل:۴۳)

ترجمہ: اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو۔

۲۔ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ. (زمر:۹)

ترجمہ: جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے وہ برابر نہیں۔

آج کی دنیا میں تعلیم کا کیا مقام ہے کسی پر پوشیدہ نہیں ہے، تعلیم نہ صرف آج دنیا میں کامیابی کا باعث ہے بلکہ زندگی کے ہر حصے میں فلاح کا ضامن بھی ہے۔

تعلیم چاہے دنیاوی ہو یا دینی دونوں ہی ایک باوقار قوم کے لیے ضروری ہے مگر دور حاضر میں جب کہ ہر طرف مغربی فکر اور مغربی تہذیب نے اپنا جال پھیلا رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے آج معصوم ذہنوں میں غلط سوچ اور بد عملی جڑ پکڑتی جا رہی ہے اور ان کے اندر آپسی اتحاد کے بجائے اختلاف و انتشار کا عنصر غالب ہوتا جا رہا ہے۔ ہماری قوم کے فرزندوں پر اس کا سب سے بُرا اثر یہ پڑا ہے کہ وہ اخلاق حسنہ سے یکسر دور ہو گئے ہیں۔ ایسے اخلاق سوز حالات میں مسلمانوں کے لیے، یہ ایک چیلنج ہے کہ وہ اپنی نئی نسلوں کو اسلام سے کیسے وابستہ رکھیں اور ان کو ذہنی و فکری ارتداد سے کیسے بچائیں۔

چنانچہ مسلمانوں کے سامنے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں کہ ٹھوس دینی بنیادوں پر نئی نسلوں کی ابتدائی تعلیم کا نظم کیا جائے۔ اگر وہ دنیاوی علوم پا رہے ہیں تو اس کے ساتھ ہی انھیں اسلامی علوم سے بھی روشناس کرایا جائے۔ خصوصا قرآن پاک کی ایسی تعلیم دی جائے کہ اس کی روشنی میں اپنی بنیادی ضروریات کا حل نکال سکیں چاہے اس کا تعلق دینی امور سے ہو یا دنیاوی معاملات سے، کیونکہ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں ساری چیزوں کا مکمل بیان ہے۔

ارشادربانی ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ. (نحل:۸۹)

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری جو ہر چیز کا کھلا بیان ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ''شئ'' کا ذکر آیا ہے جس کا اطلاق کائنات کے ہر ذرے پہ ہوتا ہے۔یعنی تمام عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کا بیان قرآن کریم میں موجود نہ ہو۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ. (انعام:۳۸)

ترجمہ: ہم نے قرآن میں کوئی چیز چھوڑی ہی نہیں۔

ازل سے ابد تک جملہ حقائق اور ما کان و ما یکون کے تمام علوم قرآن میں موجود ہیں، اس حقیقت کا اظہار اللہ نے اس انداز سے بیان فرمایا ہے:

وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ. (انعام:۵۹)

ترجمہ: اور ہر چیز چاہے تر ہو یا خشک، سب کا بیان روشن کتاب (قرآن پاک) میں لکھ دیا گیا ہے۔

اس آیت میں دو لفظ رطب اور یابس کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب یا تو رطب (تر) میں شامل ہیں یا پھر یابس (خشک) میں اور تمام چیزوں کا بیان قرآن میں ہو چکا ہے جو کہیں صراحت کے ساتھ موجود ہے تو کہیں اشاروں اور کنایوں میں، لیکن ہر چیز کا بیان ضرور ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لَوْ ضَاعَ لِي عِقَالُ بَعِيْرٍ لَوَجَدْتُمْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ. (الاتقان، ج:۲،ص:۱۲۶)

ترجمہ: اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو جائے تو میں اسے کلام اللہ سے پالیتا ہوں۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ اتنا جامع کلام ہونے کے باوجود آج قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کے بجائے دیگر تعلیم کی طرف ہمارا رجحان زیادہ ہے۔

آہ! آج مدارس میں صرف وہ طلبہ داخل کیے جاتے ہیں جو مالی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں یا ایسے بچے داخل کیے جاتے ہیں جو اسکول میں فیل ہو گئے ہوں، پڑھائی میں کمزور ہوں، یا پھر انتہائی بیوقوف ہوں کہ چلو یہ کسی کام کا نہیں اس کو مولوی بنا دیا جائے۔

یہ ہماری نادانی نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ تعلیم جس کی ضرورت ہمیں صرف دنیا میں ہے اس کے لیے ہر طرح کا اہتمام۔ اور وہ تعلیم جو دین و دنیا دونوں میں کامیابی کا باعث ہے اس کے لیے کوئی اہتمام نہیں۔

مسلمانو! ہوش میں آؤ کہ جس کو ہم خام مال سمجھ کر مدارس میں بھیج رہے ہیں، جب وہ عالم دین بن کر نکلیں گے تو وہی اصل میں ہماری نجات کا باعث ہوں گے، کیونکہ یہی وارثین انبیا کے اہم مقام پر فائز ہونے والے ہیں، پھر ہم کف افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ کر سکیں گے۔

الٰہی! رونقِ اسلام کے سامان پیدا کر
دلوں میں مومنوں کے عظمتِ قرآن پیدا کر

☆☆☆

شوکت علی سعیدی

تعلیم سے متعلق معلومات حاصل کریں

بیسویں صدی نے پوری دنیا کی تاریخ کو یک لخت بدل دیا ہے۔ صنعتی و تعلیمی اور تمدنی انقلاب برپا ہوا۔ ہر فن و ہنر کا موازنہ اور کامیابی کا دار و مدار تعلیم پر رکھا گیا۔ لاکھوں تعلیمی ادارے قائم ہوئے اور آئے دن قائم ہو رہے ہیں۔ مختلف علوم وفنون معرض وجود میں آرہے ہیں۔ ایسے پیشے اور صنعت وحرفت جن میں کمال حاصل کرنے کا تعلق کسی درس گاہ میں تعلیم حاصل کرنے سے نہیں تھا بلکہ وہ خاندانی اور علاقائی تربیت پر تھا اسے تعلیم سے جوڑ دیا گیا اور خاندانی اور علاقائی وراثت کا بند توڑ دیا گیا۔ مثلاً طب وحکمت، دست کاری، کھانا بنانے کا ہنر، جوتا چپل بنانے کا ہنر، کپڑے تیار کرنے اور سلنے کا ہنر وغیرہ، ساتھ ہی ساتھ جو ہنر کہ سماج میں گھٹیا تصور کیا جاتا تھا اور ذاتوں کے درمیان ایک طبقاتی معیار پر بٹا ہوا تھا اسے بھی یکسر ختم کر دیا گیا اور ایک جوتے چپل بنانے سے متعلق تعلیم حاصل کیے ہوئے فرد کی سماج میں وہی حیثیت ہے جو دوسرے ہنر والوں کی ہے کیوں کہ آج کے اشرافیہ اور غیر اشرافیہ میں موازنہ کرنے کا بس ایک ہی پیمانہ ہے کہ عصر حاضر کی مفید و کارآمد تعلیم کس کے پاس کتنا ہے اور کس طور پر وہ اس تعلیم کو استعمال کر رہا ہے۔

دولت، عزت اور شہرت سب کچھ تعلیم کے وسیلے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی قوم اس وقت تک اپنی شناخت کو باقی نہیں رکھ سکتی جب تک کہ اس کے پاس دولت، عزت اور شہرت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج دولت حاصل کرنے سے زیادہ تعلیم کے میدان میں مقابلہ آرائی ہو رہی ہے۔ ہر جاہل دولت مند اپنے بچوں کی تعلیم پر پوری کمائی صرف کرنے کا ارادہ رکھ رہا ہے، اس لیے کہ اس نے زمانے کے بدلتے رجحان کا اندازہ کر لیا ہے کہ اگر ہم اپنی دولت کو باقی رکھنا چاہتے ہیں یا پھر اس میں ترقی چاہتے ہیں تو یہ تعلیم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

آج کی تعلیم کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے، ایک تعلیم تو وہ ہے جس کا مقصد کردار سازی ہے اور انسان کو انسان بنانا ہے اور دوسری تعلیم وہ ہے جس کا مقصد حصول زر ہے۔ دولت اور علم کی لڑائی بہت پرانی ہے۔ عالمی پیمانے پر اس لڑائی کو ختم کرنے کی کوشش جاری ہے اور یہ کوشش اتنی کامیاب اور بامراد ہو رہی ہے کہ جن علوم کا تعلق زر سے مطلقاً نہیں تھا اسے زر کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ ایسا صرف اس لیے کیا جا رہا ہے تاکہ انسانی کردار سازی کرنے والے علما کی ظاہری چمک دمک بھی وہی ہو جائے جو کہ حصول زر والی تعلیم کا ہے۔

اس طرح مذہبی تعلیم، سماجی علوم اور زبان و بیان کی تعلیم کو زر کے ساتھ جوڑ کر جہاں اس کے مقصد کا خون کیا گیا وہیں

ان علوم کی روح کو ختم کر دیا گیا۔ اس کا ایک منفی اثر یہ بھی پڑا کہ آج ایک طالب علم یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ انسانی کردار سازی والے علوم سے جب مجھے اتنی رقم حاصل نہیں ہو سکتی کہ میں عزت اور شرافت کی زندگی گزار سکوں تو پھر ان علوم کو حاصل کیا جائے جن سے خواہش کے مطابق رقم حاصل کر کے سماج میں عزت کا مقام حاصل کر سکیں۔ طالب علم کے ذہن سے یہ بات دن بدن مٹتی جا رہی ہے کہ اس کی تعلیم کا مقصد کچھ اور ہے اور پیشہ ورانہ تعلیم کا مقصد کچھ اور۔ اس صورت حال کی وجہ سے صرف مذہبی تعلیم ہی نہیں بلکہ ہر وہ تعلیم جس کا تعلق صرف اور انسان کو علم کی روشنی عطا کر کے اچھا انسان بنانا ہے اسے حاصل کرنے کا رجحان دن بدن تیزی کے ساتھ پوری عالمی سطح پر تنزل کا شکار ہو رہا ہے۔

اس سنگین صورت حال کی طرف عصری درس گاہوں کا دھیان بالکل مفقود ہے۔ ہاں مذہبی ادارے اپنی روش پر قائم ہیں اور اس مقصد تعلیم کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جس سے ان کی شناخت ہے اور جس میں انسانوں کی بھلائی ہے۔ لیکن مذہبی تعلیم کو موثر بنانے اور اپنے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے ان کا عصری درسگاہوں کے معیار تعلیم سے واقف ہونا ناگزیر ہے۔ اگر ان کی تعلیم دیگر تعلیمی معیار کے مطابق ہے تو پھر انھیں سماجی اور حکومتی سطح پر مساوات کا درجہ کیوں نہیں حاصل ہے؟ انہیں تعلیم یافتہ اور معزز شہری کیوں نہیں سمجھا جا رہا ہے؟ ان کے لیے میدان عمل کیوں محدود کر دیا گیا ہے؟ اس طرح کے سوالات کو ذہن میں لا کر اور پھر اس کی حل کیلیے جد و جہد کر کے ایک بڑا تعلیم یافتہ طبقہ اپنے تعلیمی حقوق کو سماجی اور حکومتی سطح پر بحال کر سکتا ہے۔

ہمارے اسلاف کا یہ طرہ امتیاز تھا کہ دینی معلومات کے ساتھ ساتھ خارجی علوم وفنون پر بھی دسترس رکھتے تھے، مثلا طب وحکمت، خطاطی اور جلد سازی وغیرہ، آج ہمیں چاہیے کہ ان کے متبادل علوم وفنون کو حاصل کریں۔ کمپیوٹر، میڈیکل اور تجارت وغیرہ سے متعلق ہزار ہا ایسے علوم وفنون ہیں جن پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

آج مسلم بچوں کا اعلی اور مفید تعلیم حاصل نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے اندر جنرل معلومات کی کمی ہے کہ کون کون سے کورسیز اس زمانے میں رائج ہیں؟ کس کورس میں بہتر کیریئر ہے؟ کم خرچ اور کم وقت میں کون سا کورس کیا جا سکتا ہے؟ زیادہ رقم لگا کر کس کورس کو کرنے کے بعد بہتر کیریئر بنائی جا سکتی ہے؟ اس طرح کے سیکڑوں سوالات ہیں جو طلبہ اور گارجین کے ذہن میں آتے ہیں لیکن ان کو کوئی صحیح معلومات فراہم نہیں کر پاتا۔ لہٰذا طلبہ اور گارجین کو چاہیے کہ وقت سے پہلے اپنے معلومات میں اضافہ کریں خواہ وہ رسائل و جرائد کے ذریعے ممکن ہو یا پھر انٹرنیٹ اور ٹیلی فون کے ذریعے۔

کسی بھی طرح کی تعلیمی معلومات کے لیے رابطہ کریں: **مسلم فاؤنڈیشن دہلی**:9868981308/8130527525

تصوف پر علمی، تنقیدی ودعوتی مجلّہ

کتابی سلسلہ الاحسان الٰہ آباد

کا چوتھا شمارہ زیر ترتیب ہے!

مجلّہ الاحسان ایک علمی، فکری اور دعوتی تحریک ہے۔جس کا مقصد، حقیقی اور عملی تصوف کے احیا کے ساتھ تصوف کے نام پر پھیلے خرافات کا خاتمہ اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ تصوف کے مختلف پہلوؤں پر اپنی علمی وفکری نگارشات سے اس علمی تحریک اور دعوتی مشن کو تقویت بخشیں۔

اپنی تحریر درج ذیل پتے پر ارسال کریں!

Shah Safi Academy, Khanqah-e-Arifia
Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad U.P.(India)
Pin Code: 212213
Email: alehsaan.yearly@gmail.com
shahsafiacademy@gmail.com
Mob:+91-9598618756/ 9026981216

تصوف پر علمی، تحقیقی ودعوتی مجلّہ

کتابی سلسلہ الاحسان الٰہ آباد

کا تیسرا شمارہ منظر عام پر آچکا ہے۔

صفحات: 408/-　　**قیمت**: 225/-

خواہش مند حضرات اپنی کاپی/ایجنسی حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں۔

دھلی آفس:47/14،فرسٹ فلور، ایچ بلاک، بٹلہ ہاوس، اوکھلا، نئی دہلی-110025

Mob: 09899156384

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اقرار باللسان	زبان سے قبول کرنا	حیات بخش	زندگی دینے والا
اعتدال	بیچ کی راہ، نہ کمی نہ زیادتی، میانہ روی	حقائق، حقیقت کی جمع	حقیقتیں
ارتکاب	گناہ کرنا، کام کرنا	خطا	گناہ، جرم
ارتداد	اسلام سے پھرنا	خام	بے کار، کچّا
اجرعظیم	بڑا ثواب	خالق	پیدا کرنے والا، مراداللہ
اخراجات، اخراج کی جمع	خرچ	خارج	باہر، باہر رہنے والا
احکام شریعت	اسلامی قاعدہ قانون	خائف	ڈرنے والا
فرقہ	جماعت	دفاع	بچاؤ، حفاظت
بار	بوجھ	رموز، رمز کی جمع	اشارے، راز، بھید
بشریت	انسانیت	راغب	کھینچنے والا، مائل کرنے والا
پرفتن دور	فتنہ والا زمانہ	زمرہ	جماعت، گروہ، ہمراہی
پیمانہ	ترازو، ناپنے کا آلہ	سلاطین، سلطان کی جمع	بادشاہ، حاکم
تقاضہ	میلان، جھکاؤ، خواہش	ستون	کھمبا، اہم رکن
تحلیل	گھل جانا	سرپرست	گارجین، مربی، مددگار
تسکین بخش	سکون دینے والا	سروکار	تعلق، واسطہ
ترتیب	ایک کے بعد ایک رکھنا، ٹھکانے سے رکھنا	شرعی نقطۂ نظر	اسلامی اعتبار، اسلامی نظریہ
تصدیق بالقلب	دل سے سچ جاننا	شناخت	پہچان
تاویل	بچاؤ کا طریقہ اپنانا	صادق وامین	سچا اور امانت رکھنے والا
تصرف	قبضہ واختیار، شامل کرنے کا اختیار	صراحت	واضح، صاف صاف
ثانوی	سکنڈری، دوئم درجہ	صریح نص	قطعی حکم، واضح آیت
جبین نیاز	عاجز پیشانی محتاج پیشانی	ضربین	(زمین پر) دوبار مارنا

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
علمائے ربانی	علم الٰہی جاننے والے، نیک اور صالح عالم	موشگافیوں	چھان بین، نکتہ چینی
علمائے سو	برے اور بدعمل علما	ما کان وما یکون	جو تھا اور جو ہوگا
عنصر	بنیاد، اصل، جزو	مستحکم	مضبوط
عابد شب زندہ دار	رات میں عبادت کرنے والا	مداہنت	خوشامد، منافقت
غیظ وغضب	سخت غصہ	مسبب الاسباب	اسباب مہیا کرنے والا
غلبۂ حال	بے خود اور مجذوب ہونے کی کیفیت	مقدمۃ الجیش	فوج کی اگلی ٹکڑی
غالب	حاوی ہونے والا، زیادہ، اکثر وبیشتر	مکاشفات، مکاشفہ کی جمع	غیبی باتوں کا ظاہر ہونا
فیصل	جج، فیصلہ کرنے والا	مشاطگی	بناؤ سنگھار، سجاوٹ
فوقیت	بڑائی، برتری، ترجیح	مجازی	اصل کے علاوہ
قطع تعلق	تعلق چھوڑ دینا، ملاقات نہ کرنا	موجود بالذات	خود سے موجود ہونا
قطع رحم	رشتہ توڑنا	ملال	رنج، افسوس
قضا	فیصلہ	منقطع	جدا کیا ہوا
کمتر	کم درجہ	متحقق	ثابت ہونا
کراہت	بیزاری، گھن	موقف	نظریہ، رجحان
مَس	چھونا	نظم	انتظام، ترتیب
مستحضر	یاد رکھا ہوا	وقعت	رتبہ، حیثیت، عزت
مجذوم	جذامی، کوڑھی	وسائل، وسیلہ کی جمع	ذریعہ
معلم اخلاق	اخلاق سکھانے والا، مراد نبی کریم	واجب الوجود	جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو
مصارف، مصرف کی جمع	بہت سے خرچ، خرچ کرنے کی جگہ	وبال	مصیبت
مائل	متوجہ ہونے والا	محال	جو اللہ نہ چاہے

نوٹ: مذکورہ بالا الفاظ کے معانی ومفاہیم مشمولہ مضامین کے معانی مفاہیم کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔

ماھنامہ خضر راہ حاصل کرنے کے پتے

الہٰ آباد و اطراف

ابومیانز شاھی اسٹور، نوراللہ روڈ، الہ آباد-9839457055
محمد قیس خاں، ممتاز العلوم، تمئی، کوشامبی ۔9936890704
محمد زبیر عالم، کریاواں، منصور آباد، الہ آباد-9795252994
محمد امتیاز، کنڈا، پرتاپ گڑھ، یوپی-8808646082
حجاز بک ڈپو، سیف آباد، پرتاپ گڑھ، یوپی-9839112969
عمران احمد، بابو پوروا، کانپور-9839101833
مولا نا منور حسین، سمنان گارڈن، لکھنؤ-9889245245
حافظ نیر اعظم، کینٹ روڈ، لال باغ لکھنؤ-9125139191
محمد ارشد خان، کشمیری گیٹ، فیروز آباد، یوپی-9259589974
امام مسجد بدا خل، کھٹک پورہ، فرخ آباد، یوپی-8858839054
مدرسہ فیض العلوم صابریہ، گاندھی نگر، آگرہ-9286192523

ممبئی و اطراف

قاری سرفراز، دھاراوی، ممبئی-9819291874
شیخ جاوید اقبال، شیلیس نگر، ممرا، مہاراشٹر-9322865066
محمد ابراھیم، شولا پور، مہاراشٹر-9421067863
ابراھیم۔منگل گیری، شولا پور-9421067863
عبد الوھاب، ہاؤسنگ بورڈ، مڈگاؤں، گوا-9763900918
عادل نورانی، الامین مسجد، سلطانیہ جمخانہ، سورت-9879657766
گلشن میڈیکیئر، سکندر آباد، حیدر آباد-27716760
خادم بکڈپو، پراسیا، چندواڑہ، ایم پی-9039090386

جنوبی ہند و اطراف

محمد سلمان، سلاگٹہ، چکبالم پور، کرناٹک-9880095263
مولانا مشتاق، بیلگام، کرناٹک-8147449067
عزیز صدیق احمد، H.K.P. روڈ، بنگلور-9343324034
مدرسہ بیت القرآن، وینگل راؤ نگر، نیلور-9849647618
غلام ذو النورین، حسینی مسجد، بیکانیر-9460172623
قریشی نیوز ایجنسی، رجک سنیماروڈ، راورکیلا، اڑیسہ 9439499458
آمر نانگبری، ہاویل روڈ، لابان، شیلانگ، میگھالیہ-8794042067
حافظ شبیر شاداب، دُرگ، چھتیس گڑھ-7869230382

دہلی و اطراف

خواجہ بک ڈپو، ٹیامحل، جامع مسجد، دہلی-9313086318
مولانا عبد الودود، النور مسجد، جنک پوری، دہلی-9650203792
خان بک ڈپو، درگاہ مہرولی، نئی دہلی-
راجا اسٹیشنری، شاہین باغ، Ext روڈ، نئی دہلی-9891590739
مولانا شفیق، مسجد عمر فاروق، شاہین باغ، دہلی-9716559786
الجامعۃ الاسلامیہ، جیت پور II، دہلی-9650934740
شاہ صفی اکیڈمی، بٹلہ ہاؤس، دہلی-9910865854
عبداللہ بک ڈپو، پونچھ، ریاست جموں و کشمیر-

کولکاتا و اطراف

نیوز پیپر ایجنٹ، رابندرا سارانی، کولکاتا-9748210140
بک اسٹال، نیئر مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتا، 9330643486.16
خانقاہ نعمتی، ٹیابرج، کولکاتا-09831746380
مدرسہ سلیمیہ فیض العلوم، کمرہٹی، کولکاتا-9748421851
نسیم بک ڈپو، کولوٹولہ، کولکاتا-9339422992
رضا بک سینٹر، روشن گلدار لین، ٹکیہ پارہ، ہاوڑہ-9330462827

بہار و اطراف

امدادیہ بک ڈپو، جامع مسجد روڈ، ہزاری باغ-9835523993
دار العلوم غریب نواز، جھلوا، گڑھوا، جھارکھنڈ-
محمد اجمل، جپلا، پلاموں، جھارکھنڈ-9430003405
دلکش بک ڈپو، رام گڑھ، جھارکھنڈ-9798306353
بک ایمپوریم، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ-9304888739
مولانا غلام سبحانی، رضا مسجد، مہندرو، پٹنہ-9386979260
مراد علی، بارون بازار، اورنگ آباد، بہار-9507840625
حافظ عبداللطیف، نیل کوٹھی، ڈہری اون سون، رہتاس، بہار-
انصار بک ڈپو، بارہ پتھر، ڈہری اون سون-8603741579
مدرسہ عارفیہ سعید العلوم، نہوٹا شیر گھاٹی، گیا-9939479919
رضا بک سیلر، کمپنی باغ، مظفر پور، بہار-9709634293
دار العلوم تاج الشریعہ، مصری گنج، مدھوبنی-9931431786
دینی کتاب گھر، ڈومرا روڈ، راجو پٹی، سیتا مڑھی-9661721493
اسلامک ایجوکیشن سینٹر، ڈھاکہ، موتیہاری-9910865854

نوٹ: ایجنسی حاصل کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں:9312922953

شرح اشتہارات اور سالانہ ممبرشپ کی تفصیل

SUBSCRIBTION TODAY:

Fill in this card with your details for subscription and mail along with your cheque/DD to the following address:

SHAH SAFI ACADEMY

Jamia Arifia, Saiyed Sarawan, Kaushmbi, Allahabad, U.P Pin: 212213

Cheque/DD In favour of, **"SHAH SAFI ACADEMY"**

HDFC Bank A/c No. 22631450000118

Name:..

Village:..

City..........................State............................Pin Code:...................

Tel. No:......................................E-mail:......................................

MAHNAMA KHIZR-E-RAH SUBSCRIBTION RARE:

One Year	:	200
Five Years	:	900
Life Time	:	5000

ADVERTISING RATES:

Cover page Clour	Half Page Clour	Black & White
Back Cover 10000.00	Back Cover 5000.00	Full Page 3000.00
Front Inside Cover 8000.00	Front Inside Cover 4000.00	Half Page 2000.00
Back Inside Cover 8000.00	Back Inside Cover 4000.00	

ADVERTISING AND SUBSCRIBTION OFFICE

Shah Safi Academy, Jamia Arifia,
Saiyed Sarawan, Kaushambi,
Allahabad,(UP) Pin: 212213
Mob: 9312922953, 08081898965
E-mail: khizrerzh@gmail.com